رجسٹرڈ نمبر اے ۴۶۶

نگار

قیمت فی کاپی ۸ر

آیندہ جنوری کا "نگار" ریاض خیرآبادی نمبر ہوگا۔ مفصل اشتہار صفحہ ۴۰ پر ملاحظہ فرمائیے

نگار

چندہ سالانہ صہ

اڈیٹر: نیاز فتحپوری

جلد ۴۲ | فہرست مضامین اکتوبر سنہ ۴۲ء | شمار ۴

ملاحظات ۲

ایرانی لٹریچر کا تاریخی پس منظر ..... سید حکیم احمد نقوی ۳

سائنس کے گھریلو شعبدے ۸

نواب مرزا شوق کی مثنویاں ..... ساحل بلگرامی ۱۵

اُردو میں اعداد کا ناقص طرز تحریر ..... سید محمود نقوی سہیل ۲۰

شاعر فطرت (نظم) ..... خان بہادر مرزا جعفر علی خاں اثر ۲۲

روس کی موجودہ صحافت ۲۳

سرود پس منظر (نظم) ..... پروفیسر شور ۲۵

چین کی خفیہ سوسائٹی ۲۶

مکتوبات نیاز ۲۸

پاتال پانی (نظم) ..... ادیب سہارنپوری ۳۲

باب الاستفسار ۳۳

منظومات ..... کاوش - نشور - قہر ۳۵

کشکول ۳۶

مطبوعات موصولہ ۳۸

بقیہ ملاحظات ۳۹

ملاحظات

رفتارِ جنگ لڑائی کا چوتھا سال شروع ہو چکا ہے اور شاید دُنیا توقع رکھتی ہوگی کہ یہ لڑائی کا آخری سال ہے لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں۔ پچھلے سال بھی ہم نے یہی سمجھا تھا جو پورا نہ ہوا اور کون کہہ سکتا ہے کہ اور کتنے سال ہمیں انھیں مایوسیوں میں گزارنا ہیں

دُنیا کا ہر واقعہ خواہ وہ کتنا ہی ہیبت ناک کیوں نہ ہو اس کے حد و انتہا کی کچھ صورتیں سمجھ میں آجاتی ہیں، لیکن موجودہ جنگ تاریخ عالم کا اتنا عجیب و غریب واقعہ ہے کہ زمانہ کے ساتھ اس کی عمر بھی بڑھتی جا رہی ہے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ یقیناً ایک وقت آئے گا جب یہ خونیں ورق اُلٹا جائے گا، لیکن اُس وقت کرۂ زمین کا جغرافیہ کیا ہوگا، نئی دنیا کی نئی تاریخ کس عنوان سے شروع کی جائے گی اور علم و حکمت کے کون کونسے اور تاریک پہلو نئے خطرات کی صورت میں متعین ہو چکے ہوں گے، یہ کہنا بہت مشکل ہے

لوگ غالباً خیال کرتے ہوں گے کہ دُنیا کی تمام پچھلی لڑائیوں کی طرح موجودہ جنگ کو بھی کسی نہ کسی فریق کی فتح پر ختم ہو جانا ہے اور اسکے بعد دُنیا پھر اپنی اصلی حالت پر آجائے گی، لیکن ایسا سمجھنا غالباً درست نہیں، کیونکہ دُنیا کی یہ پہلی لڑائی ہے جو فتح و شکست کا کوئی مفہوم نہیں رکھتی اور جو غالب و مغلوب دونوں کو یکساں تباہ کر دینے والی ہے۔ یہ جنگ دو مخالف قوموں کی جنگ نہیں بلکہ دو متضاد عناصر کی جنگ ہے، انسانوں کی لڑائی نہیں بلکہ خیال و اعتقاد کی لڑائی ہے، نیک و بد کی لڑائی ہے اور اسکا فیصلہ اُسی وقت ہو سکے گا جب کرۂ ارض پر یزدان و اہرمن میں سے صرف ایک کی حکومت آئندہ کے لئے متعین ہو جائے اور یہ شاید اس قدر آسان نہیں

اسوقت روس کا محاذ دنیا کے بیم و رجا کا مرکز بنا ہوا ہے اور اسٹالن گراڈ کی خبروں پر ہر وقت لوگوں کے کان لگے ہوئے ہیں، لیکن کیا اسٹالن گراڈ کا فیصلہ جنگ کا فیصلہ ہے؟ کیا قفقاز میں جرمن کامیابیاں اتحادیوں کی شکست کا مفہوم رکھتی ہیں اور اگر ہم فرض کر لیں کہ جاپان ہندوستان پر قابض ہو جاتا ہے تو کیا اس سے آتشِ جنگ سرد پڑ جائیگی؟ ہرگز نہیں۔

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۳۹)

ایرانی لٹریچر کا تاریخی پس منظر

(بہ سلسلۂ ماسبق)

اب اصل پہلوی کی تاریخ کی طرف پھر رجوع کیا جاتا ہے - اس زبان کی یادگاریں حسب ذیل ہیں :-

(۱) پارتھیوں کے زمانے کے سکّے — (۲) ساسانیوں کے بعد کے زمانے کے سکّے - کتبے - اور کتابیں — (۳) ساسانیوں کے بعد کے زمانے کے سکّے - کتبے — اور کتابیں -

سکّوں اور کتبوں کی تحریر اتنی مغلق نہیں - انھیں کی مدد سے کتابوں کی عبارت بہت کچھ حل کی گئی ہے کیونکہ اُن کے حروف بہت کم مختلف الصوت ہیں - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امتداد زمانہ سے ساسانیوں کے زمانہ میں حروف کی شکلیں ایسی تبدیل ہو چکی تھیں کہ کئی حرف ایک ہی شکل کے ہو گئے تھے جس کی وجہ سے یہ پہچاننا مشکل ہو گیا کہ کونسا حرف استعمال کیا گیا ہے - پہلوی تحریر کے سکّوں اور کتبوں کا رواج عربی حکومت کے زمانہ میں بھی عرصہ تک رہا اور عربوں کے صیغۂ مال میں پہلوی ہندسہ اور زبان ہی استعمال میں آتے رہے -

پہلوی لفظ کا نمونہ باعتبار کتابت کے اوپر درج ہو چکا ہے - ذیل میں باعتبار تلفظ کے ایک کتبہ درج کیا جاتا ہے - یہ کتبہ اردشیر بابکان کے وقت کا نقشِ رستم سے لیا گیا ہے اور اس طرح پڑھا جاتا ہے :-

"پَتکاری - زَنا - مَزْدَیَسْنْ - بَگی - اَرتَخْشَثْرَ - ملکان ملکا - ایرانْ - مَنُوچِتری - مِنْ - یَزتان - بارَہ - بابَگی - ملکا"

ترجمہ — "یہ تصویر اُس مزدا کے پجاری دیوتا ارتخشتر شہنشاہِ ایران کی ہے جو دیوتاؤں کی پاک نسل سے ہے اور جو بابک بادشاہ کا لڑکا ہے"

پہلوی کتابوں کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں - کسی کتاب کا مسودہ ۱۳۲۳ء سے قبل کا دستیاب نہیں ہوا ہے - بالعموم یہ کتابیں اسلامی عہد کی تالیف پائی جاتی ہیں - اقسام یہ ہیں :

(۱) آوستا کے ترجمے — (۲) مذہبی کتابیں — (۳) مذہب سے غیر متعلق کتابیں -

آوستا کے پہلوی ترجمے آوستا کے الفاظ اور عبارت کی ترتیب و ترکیب کے اس قدر پابند پائے جاتے ہیں کہ اُن کو پہلوی ادب کا نمونہ تصور کرنا قرینِ صحت خیال نہیں کیا جاتا -

مذہبی کتابوں کی تعداد پچیس ہے جن میں تقریباً چار لاکھ چھیالیس ہزار لفظ استعمال میں آئے ہیں - یہ کتابیں دعاؤں - تفسیروں - روایات - نصائح - احکام امتناعی - اقوالِ متبرک وغیرہ پر مشتمل ہیں - ان میں سے چند ممتاز کتابوں کے نام یہ ہیں :-

(۱) دِینْ کَرْدْ - (احکامِ مذہبی) - اِس کتاب میں مذہب مزدی کے اُصول - رواج - روایات - تاریخی کیفیت کی تشریح کی گئی ہے - اس کی تالیف آتُرفَرنْ بَاگ سے منسوب ہے اور اُس کا زمانۂ تصنیف تویں صدی عیسوی - (مامون رشید کا زمانہ) قرار دیا گیا ہے -

(۲) بُندَہِش - یہ مذہبی معلومات کا ذخیرہ ہے اور اُس کی تالیف گیارھویں یا بارھویں صدی عیسوی سے متعلق ہے -

(۳) داتستان دِینِک - اس کتاب میں بانوے مسئلوں کے متعلق مذہبی رائے ظاہر کی گئی ہے اور اُس کا زمانۂ تالیف نویں صدی عیسوی ہے -

(۴) شگند گُمانِک وِجار — (ماحیِ شکوک مقدمہ) - اس کتاب میں مذہب زردشت کے نقطۂ نظر سے عیسائی - یہودی اور اسلامی عقائد متعلقِ خیر و شر سے بحث کی گئی ہے -

(۵) دینائے مینوئے خرد - (روح یا فرشتۂ عقل کی رائے) - اس کتاب میں دینِ زردشتی کے متعلق باسٹھ سوالات کے جواب فرشتۂ عقل نے دئے ہیں۔ یہ پہلوی کی سب سے آسان کتاب سمجھی جاتی ہے -

(۶) اَردوِراف نامک - اس کتاب میں اسکندر 'ملعون' کے حملہ اور حکومت سے ایران کی جو دینی اور دینوی تباہی ہوئی اُس کا بیان ہے - ساسانیوں کے زمانہ میں مذہبی اور قومی معاملات کی تجدید جس طرح ہوئی اُس کی کیفیت درج کی گئی ہے اور مذہب زردشتی میں حیاتِ آیندہ کے متعلق جو عقاید ہیں اُن کا تذکرہ ہے اسی کتاب میں بہشت و دوزخ کا نظارہ کرایا گیا ہے جو اسلامی کتابوں کے بیانات سے ملتا جلتا ہے -

(۷) جاماسپ نامک) - یہ کتاب قدیم بادشاہوں کے افسانوں پر مشتمل ہے -

(۸) اَندَرزِ خسروِ کاوتان - اس میں شاہ نوشیرواں (اَنوشک رُوان یعنی غیر فانی روح یا جان) کے پند و نصائح و احکام درج ہیں -

غیر مذہبی کتابوں کی تعداد صرف گیارہ ہے اور اُن میں تقریباً چار ہزار اکیسو الفاظ مستعمل ہوئے ہیں - ان کتابوں میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

یادکار زریران - شاہنامہ گشتاسپ یا پہلوی شاہنامہ - کارنامک ارتخشتر پاپکان - درخت اسوریگ - چترنگ نامک -

قیاس یہ کیا گیا ہے کہ علمائے زردشتی نے ایسی کتابوں سے کوئی دلچسپی نہیں لی جن کا تعلق مذہب سے نہ ہو - یہی وجہ خیال کی گئی ہے کہ آوستا کے وہ حصے جو علمی یا فلسفی مضامین پر مشتمل تھے علما کی لاپروائی سے ضائع ہوگئے - اسی طرح پہلوی علم ادب کی کتابوں کی کیفیت پائی جاتی ہے - خیال یہ ہے کہ ایسی تصنیفات بہت زیادہ ہوں گی کیونکہ بعض کتابوں کے نام اور اُن کے مضامین کا حوالہ اسلامی عہد کی کتابوں میں پایا جاتا ہے لیکن وہ کتابیں اب دستیاب نہیں ہوتیں - جو کتابیں اسوقت موجود ہیں بالعموم وہ قومی روایتوں اور افسانوں سے معمور نظر آتی ہیں - زمانۂ حال میں بھی بعض پہلوی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں :

زرتشت نامہ - صددار - علمائے اسلام - قصۂ سنجان

قصۂ سنجان میں وہ حالات درج ہیں جو ایران سے ہندوستان کی طرف پارسیوں کی ہجرت سے متعلق ہیں - اس کتاب میں چند قدیم پہلوی عبارتوں کی تشریح بھی بزبان فارسی پائی جاتی ہے -

اسوقت تک کسی پہلوی نظم کا کھوج نہیں لگا ہے جو ساسانی یا اشکانی دور سے متعلق ہو - دل اس کو تسلیم نہیں کرتا کہ ساسانی بادشاہوں کے درباروں میں گانے یا شعر پڑھنے کا چرچا نہ ہوتا ہو - قدیم روایات میں چند نام شاعروں یا گانے والوں کی ذیل میں لئے گئے ہیں - قیاس یہ چاہتا ہے کہ ایسے لوگ اُس زمانہ میں ضرور ہونگے جو سازوں پر گیت گاتے ہوں - ان لوگوں میں سے باربد کا نام بہت مشہور ہے جس کو عربی میں بَجلبَد لکھا گیا ہے اور جو غالباً پہلوی 'پہلپت' ہے - روایات کی بنا پر عربی مصنفین نے اِن لوگوں کا ذکر کیا ہے - باربد کی نسبت ایک عربی شاعر نے اپنی نظم میں یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ خسرو پرویز کے دربار کا رُکن تھا اور بادشاہ کے مُنہ ایسا لگا تھا کہ جو بات اور کوئی شخص بادشاہ کے حضور میں نہ کہہ سکتا تھا وہ اُس کے ذریعہ سے کہلوائی جاتی تھی - قصہ یہ ہوا کہ بادشاہ کا ایک گھوڑا شبدیز نامی تھا جس کو بادشاہ بہت عزیز رکھتا تھا - محبت کی وجہ سے اُس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ جو شخص اُس گھوڑے کی موت کی خبر سُنائے گا وہ قتل کر دیا جائیگا اتفاق سے جب وہ گھوڑا مرا تو کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ بادشاہ کو خبر پہونچائے - آخر کار باربد سے رجوع کیا گیا اور اُس نے پرویز کے روبرو ایسا گیت بنا کر سنایا جسکے مضمون سے بادشاہ گھبرا گیا اور بے ساختہ بول اُٹھا کہ شاید میرا گھوڑا مر گیا - باربد نے جواب دیا کہ حضور ہی ایسا فرما سکتے ہیں اور فرماتے ہیں - اس طرح سے گھوڑے کے مرنے کی خبر سُنانے کا الزام کسی کے ذمہ عاید نہ ہوا -

باوجود اس کے نظم کی کوئی یادگار ساسانی یا اشکانی زمانہ کی موجود نہیں ہے -

پہلوی زبان کا رواج بند ہو جانے کے بعد وہ زبان عربی کی آمیزش سے جاری ہوئی جس کو فارسی حال کہتے ہیں - اس کی کتابت عربی حروف میں ہوتی ہے اور وہ عربی قواعد صرف و نحو کی بھی بڑی حد تک پابند ہے - لیکن اب اس زبان میں بھی تبدیلی کے آثار پیدا ہوتے جاتے ہیں - زبان کا ڈھنگ اس اعتبار سے کہ اُس میں نئے نئے لفظ داخل ہوتے جاتے ہیں - نئے نئے خیالات سیاسی - اقتصادی معاشرتی اور تمدنی روز بروز پیدا ہو رہے ہیں - طرح طرح کے محاورات کا استعمال رواج پاتا جاتا ہے اور جس کو روزمرہ کہتے ہیں وہ زبان کا عنصرِ خاص بن گیا ہے - سادہ بیانی کی طرف توجہ ہے اور مرصع نگاری اور پرپیچ خیال

آفرینی کی راہیں چھوٹتی چلی آتی ہیں - بہت کچھ بدلا ہوا نظر آتا ہے اور اگر یہ تحریک جاری رہی اور اُس نے کچھ زور پکڑا کہ عربی الفاظ زبان سے کم کر دئے جائیں اور حروف بھی بدل دئے جائیں تو کیا معلوم فارسی زبان کس رنگ میں دکھائی دے - اس نئے رنگ کی زبان کو جس میں کئی اصنافِ سخن مثل ناول - ڈراما وغیرہ کا اضافہ ہو تا جا رہا ہے اہلِ ہند فارسی جدید کے نام سے موسوم کرتے ہیں - چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں :-

ناول موسوم بہ 'عشق و سلطنت' - (وی تواں گفت اولین زمانے ست کہ در ایران با اسلوب مغرب زمین تالیف شدہ) "بلے ایں تہیہ عروسی است و گماں ندارم کہ عروسی جز برائے کورس پادشاہِ با اقتدارِ پارس دیدی باشد - چہ کہ امروز کسے جز او ایں قدر نزد اہالی اکبتان محبوبیت ندارد کہ مردم عروسی او را چوں عیدے بزرگ دانستہ و بازار ہا را زینت کردہ و از صمیم قلب اظہارِ سرور و شادمانی نمایند"

ڈراما موسوم بہ 'گزارشِ مردم گریز' :

مونس — (بہ پیش فراش میرود) - چہ ہست فرمایش ؟

بیا بہ بینم !

فراش : دارم دو حرف با سرکار ،

مونس : تواں دو حرفِ خود را کنی بلند اظہار ،

فراش : رئیس دیوان آں را کہ بندہ ام فراش ،

مرا بدست بداد ست حکم حاضر باش ،

بتو .....

مونس : بکہ ؟ بمن ؟

فراش : آرے بتو ،

مونس : برائے چہ کار ،

فراش : بحرفِ مفتِ (امیدی) و حضرتِ سرکار

ڈراما بطرزِ دیگر موسوم بہ 'حکایت کربلا رفتن شاہ قلی مرزا' — ماخوذ از تیاتر میرزا ملکم خاں (شاہ قلی مرزا مردے بود بلند قامت در ریش دراز و متکبر و مناعت طلب و درشت خوے در ۱۲۳۳ھ بعزم زیارتِ کربلا از طہران حرکت کرد در حین عبور چند روزے در کرمان شاہ نزد حاکم آنجا مہمان می شود شب اول بعد از ملاقات و صرفِ شام و صحبت ہائے متفرقہ برمیخیزد و میرود بمنزلیکہ برائے او تعین کردہ اند -)

شاہ مراد میرزا حاکم - (بہ شفیع بیگ پیش خدمت) - شفیع بیگ شاہزادہ مہمان ماست ایرج میرزا مواظب ست و تو مہمان دار - شش نفر فراش دیگ نفر قہوہ چے بردار ببر زیر دست خود باشد درست متوجہ باشید بدنگذرد بشاہزادہ -

شفیع بیگ : بلے قربان چشم البتہ کار نوکر خدمت ست -

شاہزادہ حاکم : خیر بلے قربان تنہا کافی نیست ایرج میرزا داند ایں شاہزادہ مردیست بسیار مشکل پسند و باریک بیں اما احمق و زود رنج باید باحتیاط حرکت بکنی برادر من ست مہمان ست مبادا رنجش بہم رساند -

شفیع بیگ : قربان بیت سالست در ظل رافتِ سرکار نواب والا تربیت یافتہ ام و امید وارم کہ ایں قسم خدمات زیں بندہ بر آید انشاء اللہ در کمال خوشنودی و امتنان تشریف خواہند بُرد خاطر جمع دارید -

شاہزادہ حاکم : خوب ست حالا مرخصی فردا صبح بر و سرِ خدمت و درست متوجہ باش -

سیاحت نامۂ ابراہیم بیگ — (سیاحت نامہ ابراہیم بیگ دونوں فرضی ہیں - اس میں ایران اور ایران کے حاکموں کی حالت کا خاکہ اُڑایا گیا ہے جب ابراہیم بیگ وزیر جنگ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھتا ہے کہ ملک کی حفاظت اور فوجوں کی ترتیب کا کیا انتظام کیا گیا ہے تو وزیر ناراض ہو کر اُسے پٹوا تا ہے اور

مکان سے باہر نکالدیتا ہے۔ اس واقعہ کے متعلق انتخاب ذیل قابل ملاحظہ ہے)

..... آیا با سربازان شصت سالہ و سرتیپانِ بیست سالہ جلوایں ہمہ دشمنان راکہ از چہار جانب چشم بوطن مادوختہ اند توان گرفت ؟ ایں سرتیپانِ بیست سالہ کدامین خدمت نمایاں بدولت وملت کردہ اند کہ سزاوار شمشیر وحمائل سرتیپی شدہ اند ؟

چوں سخن بدیں جا رسید دیدم رنگ از رُخِ وزیر پریدہ بآواز مہیب صدا زد۔ اسد۔ اسد۔ اسد بیگ فراش باشی آمد۔ گفت ایں پدر سوختۂ فضول دیاوہ گو راکدام پدر سگ بدینجا راہ دادہ ؟ گفت قربان حاجی خان رقعۂ بہ بندہ نوشتہ بود۔ گفت گہ خورد با پدرش بزنید ایں پدر سگ را بزنید! بکشید بیرون۔ دیگر خود را ندانستم۔ ہی مشت وسیلی بود کہ بسر وصورت من از آسماں چوں قطراتِ باراں فرو می ریخت۔ وقتے دیدم کہ نہ عبا در دوش ونہ کلاہ در سر دارم، پنج شش نفر بزمین نقش بستم۔ چند تن ہم از پائین ہجوم کردند کہ گرفتہ بہ مجلس ببرند۔ گفتم!! ۔ برضائے خدا دور شوید! وزیر فرمود بیرونش کنید حبس نہ فرمود۔ گفتند ممکن نیست۔ مشہدی حسن خود را رسانید۔ بزبان انگلیسی گفت اماں برادر جاں چہ خبرست ؟ گفتم ہر چہ شدنی بود شد اما حکم حبس نداد طورے کنید کہ از اینجا بدر رویم۔ گفت پول داری ؟ گفتم ہیچ ندارم۔ گفت ساعت را در آر! ہر چہ خواستم ساعت را در آرم دستم میلرزید، نتوانستم۔ مشہدی حسن جیبم را پارہ کردہ در آورد۔ باز نخیر بفراشان سپرد۔ دست از ما باز داشتہ مشغولِ تعیین قیمت ساعت وتقسیم آں شدند۔ ما از میان بدر شدیم۔

مضمون ماخوذ از اخبار "صور اسرافیل"

چرند پرند ۔ بعد از چندیں سال مسافرت ہندوستان ودریدن ابدال واوتاد ومہارت در کیمیا ولیمیا وسیمیا الحمد للہ بہ تجربہ بزرگی نائل شدم وآں دوائے ترک تریاک ست۔ اگر ایں دوا را در ہر یک از ممالک خارجہ کسے کشف میکرد ناچار صاحب امتیازی شد۔ انعامات می گرفت۔ در ہمہ روزنامہ ہا نامش بہ بزرگی درج می شد۔ اما چہ کنم کہ در ایران قدر داں نیست۔

عادت طبیعت ثانوی ست۔ ہمینکہ کسے بکارے عادت کرد دیگر بایں آسانیہا نمی تواند ترک کند۔ علاج منحصر ایں ست کہ بترتیب مخصوصی بمرور زمان کم کند تا وقتیکہ کلی از سرش بیفتد۔

حالا من بہ تمام برادران مسلمان غیور تریاکی خود اعلان می کنم کہ ترکِ تریاک ممکن ست ..... مثلا یک نفر کہ روزے دو مثقال تریاک می خورد روزے یک گندم از تریاک کم کردہ دو گندم مُرفین بجائے آں زیاد کند وکسے کہ دہ مثقال تریاک می کشد روزے یک نخود کم کردہ دو نخود حشیش اضافہ نماید وہمیں طور مداومت کند تا وقتیکہ دو مثقال تریاک خوردنی بہ چہار مثقال مُرفین ودہ مثقال تریاک کشیدنی بہ بیست مثقال حشیش برسد۔ .....

..... وہمیشہ بزرگان ومتخصصین ہم کہ می خواہند عادتِ زشتے از سرِ مردم بیندازند ہمیں طور میکنند مثلا وقتیکہ بزرگانِ ما فکر می کنند کہ مردم فقیر اند و استطاعتِ نانِ گندم خوردن ندارند ورعیت ہمہ عمرش را باید بزراعت گندم صرف کند وخودش ہمیشہ گرسنہ باشد ببینید چہ میکنند۔

روز اول سال نان را با گندم خالص می پزند۔ روز دوم در ہر خروار یک من تخمہ۔ جو۔ سیاہ دانہ۔ خاک ارہ۔ یونجہ۔ مثلا مختصر عرض می کنم معلوم ست در یک خروار گندم کہ صد من ست یک من ازیں چیزہا ہیچ معلوم نمی شود۔ روز دوم دہ من می زنند وبعد از صد روز کہ سر ماہ دہ روز بشود صد من گندم صد من تخمہ۔ جو۔ سیاہ دانہ۔ خاک ارہ۔ کاہ۔ یونجہ۔ شن شدہ است در صورتیکہ ہیچ کس ملتفت نشدہ وعادتِ نان گندم خوردن ہم از سرِ مردم افتادہ است۔

برادرانِ غیور ..... ہمان طور کہ ممکن است عادت را از سرِ مردم انداخت ہماں طور ہم ممکن است عادت را از سرِ سنگ وکلوخ وآجر انداخت۔ چرا کہ میان عالم صغیر وعالم کبیر مشابہت تمام است مثلا یک مریض خانۂ حاجی شیخ ہادی مجتہد مرحوم ساخت۔ موقوفات ہم برائے آں معین کرد کہ ہمیشہ یازدہ نفر مریض در انجا باشند۔ تا حاجی شیخ ہادی حیات داشت مریض خانہ بہ یازدہ نفر عادت کرد۔ ہمیں کہ حاجی شیخ ہادی مرحوم شد طلاب مدرسہ بہ پسر ارشدش گفتند ما وقتے تو را آقا می دانیم کہ موقوفاتِ مریض خانہ را خرج ما بکنی۔ حالا ببینید ایں پسر خلف ارشد بہ قوتِ علم چہ کرد۔ ماہِ اول یک نفر از مریض ہا راکم کرد۔ ماہ دوم دو تا۔ ماہ سوم ستہ تا ماہ چہارم چہار تا وہمیں طور تا حالا کہ عدۂ مریض ہا بہ پنج نفر رسیدہ وکم کم بہ حُسن تدبیر آں چند نفر ہم تا پنج ماہ دیگر از میاں خواہد رفت۔ پس بہ بینید کہ باتدبیر چہ طور می شود عادت را از سرِ ہمہ کس وہمہ چیز انداخت۔ حالا مریض خانۂ کہ یازدہ مریض عادت داشت بدوں اینکہ ناخوش بہ خود عادت از سرش افتاد (دخو)

(۲) کبلائے دَخو - تو قدیم باگاہی بدردِ مردم میخوردی - مشکلے بدوستانت او میداد حل میکردی - ایں نغمہ ہا کہ سرود صدائے از تو نہ بود میگفتم بلکہ تو ہم تریاکی شدہ در گوشۂ اطاق پائے منقل لم دادۂ - آنانہ گوکہ تو ناقلائے حقہ ہماں طور کہ توی صور اسرافیل نوشتہ بودی یواشکی - آپ نزد انم برائے تحصیل علم کیمیا و کیمیا و کیمیا گزاشتی در رفتی بہند - حکماً گنج نامۂ ہم پیدا کردۂ - درحال اگر سوء ظنے در حق تو بردہ ام باید خیلے خیلے بہ بخشی عذر میخواہم میں قطرہ سلامت آمدی جائے شکرش باقی ست چرا کہ خوب سر و قلتش رسیدی - برائے اینکہ کار ہا خیلے شلوق پلوق ست -

غدار دنگان ہمہ را بیا مرزد خاک براش خیر نبرد - در تاقازان یک ملا اینکعلی داشتیم روضہ خوان خیلے شوخ بود - حالا نداشتہ باشد باسن خیلے میانہ داشت - وقتے کہ میرفت روضہ بخواند اول یک مقدمۂ دورِ دملنے می چید - ہر چند بے ادبی ست میگفت مطلب ایں طور خر فہم ترمیشود (در مثل مناقشہ نیست) بنظم می آید برائے شما ہم محض اینکہ درست بہ مطلب پے ببرید یک مقدمہ بچینم بدینست -

مستزاد

اے کہ شاہِ جواں - شیرانِ جنگ آور نگر — در نگر — عالمے دیگر نگر
ملتے را راحت از مشروطہ سر تا سر نگر — در نگر — عالمے دیگر نگر
پادشاہی کن کہ دورانِ جہاں بر کامِ تُست — رامِ تُست — شاہ احمد نامِ تُست
در محامد خویش را ہمنامِ پیغمبر نگر - — در نگر — عالمے دیگر نگر
دادخواہی کن دریں مشروطہ چوں نوشیرواں — درجہاں — رخشِ ہمت بر جہاں
خویش را والا تر از دارا و اسکندر نگر — در نگر — عالمے دیگر نگر
آخر ایں ایران کہ بودہ جائے جم پاتخت کے — اہلِ وے — غرقِ غفلت تا کے
باغبانا - باغ را بے شاخ و برگ و بر نگر — در نگر — عالمے دیگر نگر
پارلماں را از وکیلانِ صحیح آباد کن، — داد کن — ملتے را شاد کن
خائنین را زد دکن اخراج بر محضر نگر — در نگر — عالمے دیگر نگر
مدتے با شیخ رفتی با حریفاں ساختی — تاختی — دیدی آخر باختی
حال و روز بعد ازیں بدتر نگر — در نگر — عالمے دیگر نگر

سید حکیم احمد نقوی

حضرت نیاز فتحپوری کی بعض کتابوں کے جدید اڈیشن

نقاب اُٹھ جانے کے بعد — ۸ر
شہاب کی سرگزشت — ۴ر
ترغیبات جنسی — ۳ر
مذاکرات نیاز — ۴ر

یہ تمام کتابیں نظر ثانی کے بعد نہایت نفیس کاغذ پر، بہترین طباعت کے شایع ہوئی ہیں اور پہلے اڈیشنوں میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں، انھیں دور کر دیا گیا ہے۔ چاروں کتابوں کے آرڈر پر محصول ڈاک معاف

منیجر نگار - لکھنؤ

سائنس کے گھریلو شعبدے

(بہ سلسلۂ ماہ ستمبر ۴۲ء)

برف بنانا — فراہم کیجئے :- دھات کا ڈھکنا (جس میں بعض بوتلوں پر بجائے ڈاٹ کے لگا رہتا ہے) — پلیٹ — امونیم نائٹریٹ
Amm. Nitrate

پلیٹ میں اتنا پانی ڈالئے کہ اس کا درمیانی خالی حصہ بھر جائے۔ اس کے بعد چمچ کے ذریعہ سے دھات کے ڈھکنے کو امونیم نائٹریٹ سے نصف بھر دیجئے اور اسکو پلیٹ کے درمیان رکھدیجئے۔

پھر ڈھکنے میں آہستہ آہستہ ایک ایک قطرہ پانی ٹپکائیے، پلیٹ کا پانی جکر برف ہو جائے گا۔

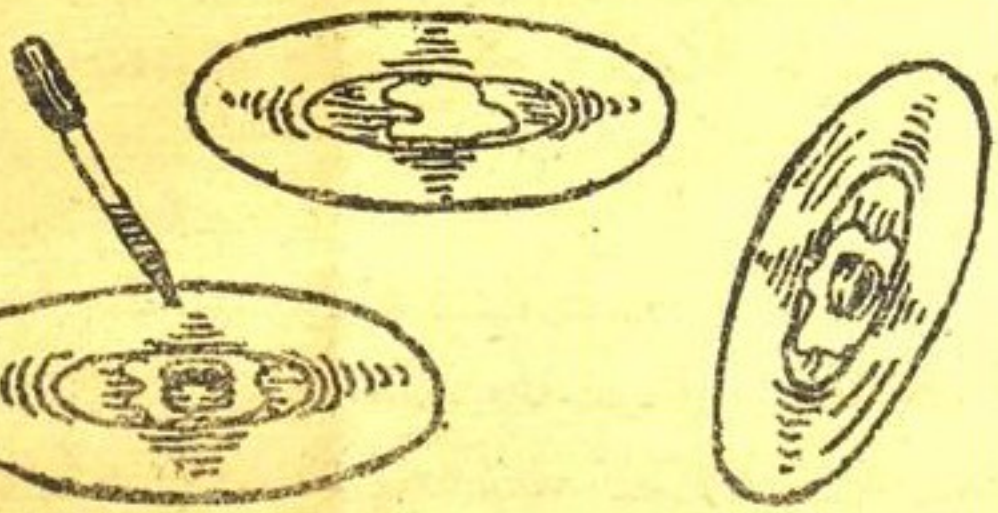

کیوں ؟ جب کوئی منجمد چیز رقیق حالت میں تبدیل ہوتی ہے تو وہ چاروں طرف کی گرمی کو اپنے اندر جذب کرتی ہے۔ چونکا امونیم نائٹریٹ گرمی کو زیادہ جذب کرتا ہے اس لئے جب پانی ڈالکر اسے رقیق کیا گیا تو اس نے پلیٹ کے پانی کی گرمی کو اس حد تک جذب کر لیا کہ وہ نقطۂ انجماد تک پہونچ گیا۔

شکر کے بلوری ٹکڑے — فراہم کیجئے :- شکر — پیالہ — دفتی — دھاگا — گرم پانی — کنکری۔

پیالہ کو گرم پانی سے بھر دیجئے اور جتنی شکر اس میں گھل سکتی ہے ڈالدیجئے۔ اس پر ایک دفتی کا ٹکڑا رکھ کر بند کر دیجئے۔ ایک فٹ دھاگا لیکر اس کے کنارے چھوٹی سی کنکری باندھکر پانی میں لٹکا دیجئے۔ دفتی میں ایک سوراخ اتنا بڑا کر لینا چاہئے کہ دھاگا اس کے اندر سے گزر جائے — دو چار دن کے بعد آپ دھاگے کو نکالیں گے تو اسکے چاروں طرف شکر کے بلوری ٹکڑے نظر آئیں گے

کیوں ؟ تمام محلول چیزوں کا خاصہ ہے کہ جب وہ رقیق حالت سے منجمد حالت میں منتقل ہوں گی تو وہ بلوری ٹکڑوں کی صورت اختیار کر لیں گی۔

شکر سے کویلہ — فراہم کیجئے :- شکر — گندھک کا تیزاب — پیالہ — کانچ کا ٹیوب (Test tube) -

تھوڑی سی شکر ٹیوب میں رکھ کر گیس یا اسپرٹ کے چولھے پر گرم کیجئے، تھوڑی دیر میں وہ رقیق ہو جائے گی۔ آپ گرم کرتے رہئے، یہاں تک کہ وہ بالکل سیاہ ہو جائیگی۔

دوسری ترکیب یہ ہے۔ چار چمچ شکر ایک چمچ پانی میں ڈال کر جوش دیجئے۔ اس سے قوام طیار ہو جائے گا۔ اس میں قطرہ قطرہ گندھک کا تیزاب ڈالئے۔ اس سے شکر کویلہ میں تبدیل ہو جائے گی اور پیالہ کے چاروں طرف یہ مادہ باہر آکر پھیل جائے گا۔

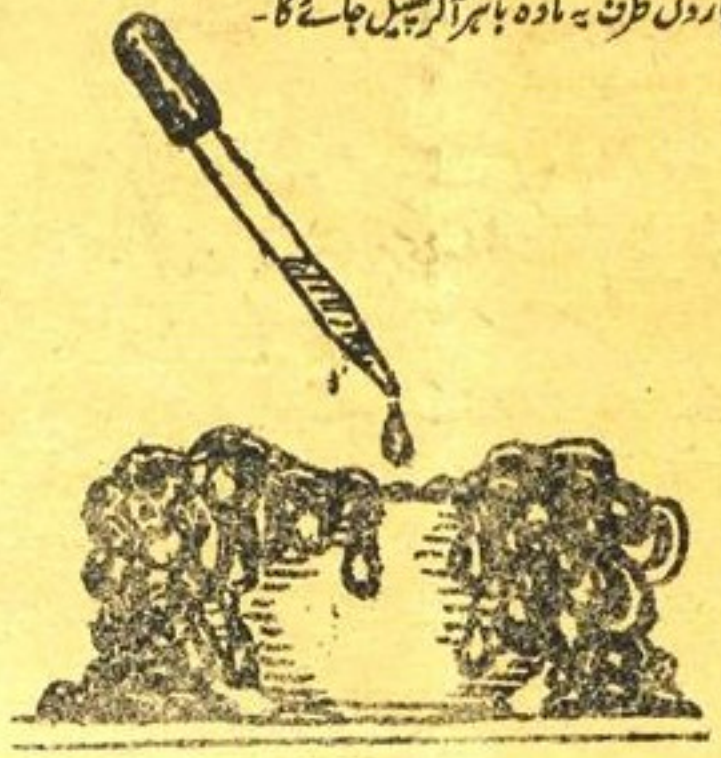

کیوں ؟ کاربن ہر چیز میں پایا جاتا ہے اور اس کا رنگ سیاہ ہے، لیکن دوسری چیزوں سے شکر اس کا رنگ بدل جاتا ہے، اس لئے جب دوسرے اجزا آپ علٰحدہ کر دیں گے تو اخیر میں کویلہ رہ جائے گا۔

آپ کو یہ شکر حیرت ہوگی کہ شکر، کویلہ اور ہیرا سب کاربن ہیں۔

آگ سے نہ جلنے والا کپڑا — فراہم کیجئے :- ململ کے دو ٹکڑے — پیالہ — موم بتی — Amm. Phosphate

پیالہ میں چار چمچ پانی ڈال کر اس میں ایک چمچ امونیم فاسفیٹ ڈالئے۔ جب دونوں حل ہو جائیں تو ململ کا ایک ٹکڑا لیکر اس میں اچھی طرح ڈبو لیجئے اور پھر نکالکر بغیر نچوڑے ہوئے خشک کر لیجئے۔ اب اس پر آگ اثر نہ کرے گی۔

موم بتی روشن کر کے پہلے ململ کے اس ٹکڑے کو جلائیے جس میں دوا جذب نہیں ہے اور پھر ململ کے دوسرے ٹکڑے کو۔ دونوں کا فرق معلوم ہو جائے گا۔

چاقو پر نام کھودنا — فراہم کیجئے:- Hydrochloric Acid موم بتی — شیشے کا گلاس — نوکدار لکڑی

پہلے موم بتی پگھلا کر اس کا موم چاقو کی سطح پر ٹپکایئے، جب موم ٹھنڈا ہو جائے تو کسی نوکدار لکڑی سے اپنا نام یا جو کچھ لکھنا ہو موم کی سطح پر لکھئے یہاں تک کہ اس حصہ کا موم نکل کر چاقو کی آہنی سطح نظر آنے لگے۔ اس کے بعد چاقو کو پانی کے گلاس میں ڈال دیجئے اور ہائڈروکلورک ایسڈ اس میں شامل کر دیجئے، تھوڑی دیر کے بعد نکال لیجئے اور موم صاف کر ڈالئے۔ آپ کا نام اس پر منقوش ہوگا۔

آگ کے جھاگ — فراہم کیجئے:- Licorice Extract (رب السوس یا ملٹھی کا ست) Aluminium Sulphate — سوڈا (کھانے والا) — گلاس۔

دو چمچے الومینیم سلفیٹ، ایک پیالی پانی میں گھول لیجئے۔ آدھی پیالی سوڈا میں ملٹھی کا ست ملایئے یہاں تک کہ گاڑھا مرہم سا طیار ہو جائے، پھر اس مرہم میں برابر کا پانی ملا کر رقیق کر لیجئے۔

ان دونوں محلولوں کو جب ایک ساتھ کسی گلاس میں ڈالیں گے تو آگ کا جھاگ پیدا ہو کر گلاس سے باہر آجائے گا۔

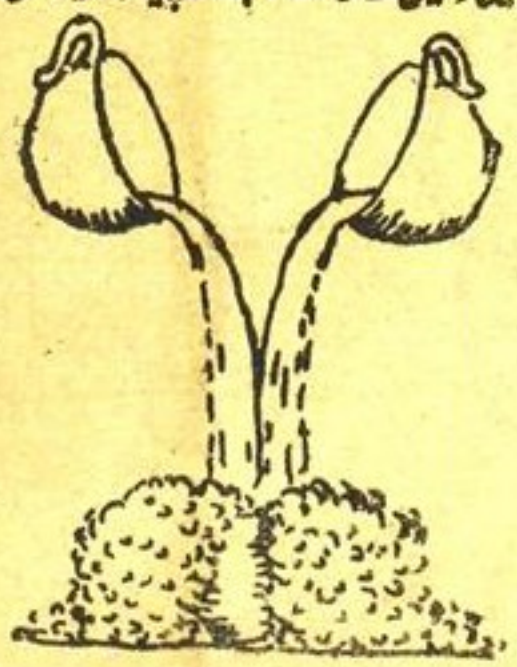

نظر نہ آنے والی سیاہی — کوبالٹ کلورائڈ۔ Cobalt Chloride کو پانی میں حل کیجئے یہاں تک کہ وہ ہلکے زرد رنگ کا ہو جائے اس محلول سے کاغذ پر کچھ لکھئے اور خشک ہو جانے دیجئے۔ جب آپ اس کو آگ دکھائیں گے تو نیلگوں حروف اُبھر آئیں گے۔

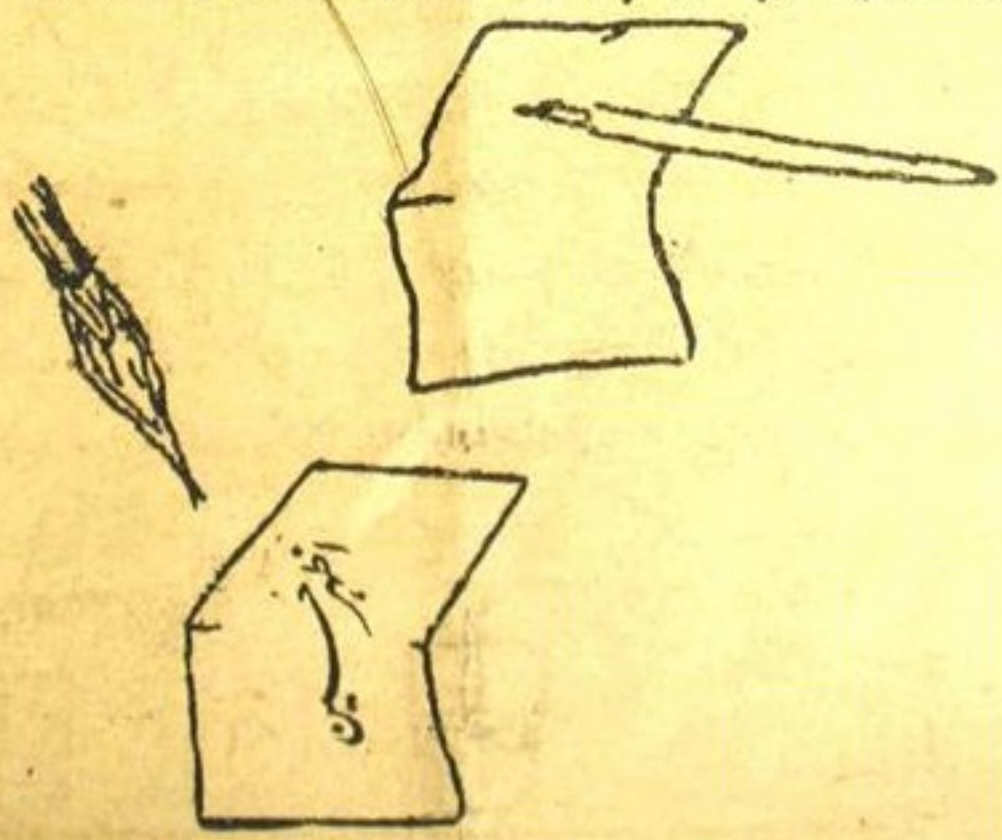

جادو کا رومال — فراہم کیجئے :- کوبالٹ کلورائڈ — جلاٹین — رومال — طشت -

ایک حصہ کوبالٹ - ۱۰ حصے جلاٹین اور ۱۰۰ حصے پانی - طشت میں ملایئے، پھر طشت کو ہلکی آنچ پر رکھئے یہاں تک کہ یہ سب چیزیں یک جان

ایک رومال اس محلول میں اچھی طرح ڈبو کر خشک کر لیجئے - اس کا رنگ زردی مایل نیلا ہوگا - لیکن اگر آپ اس رومال کو بھاپ دیں گے تو سُرخ ہو جائے گا - اسکے بعد آپ ہٹا کر خشک کر لیں گے تو پھر نیلا ہو جائے گا

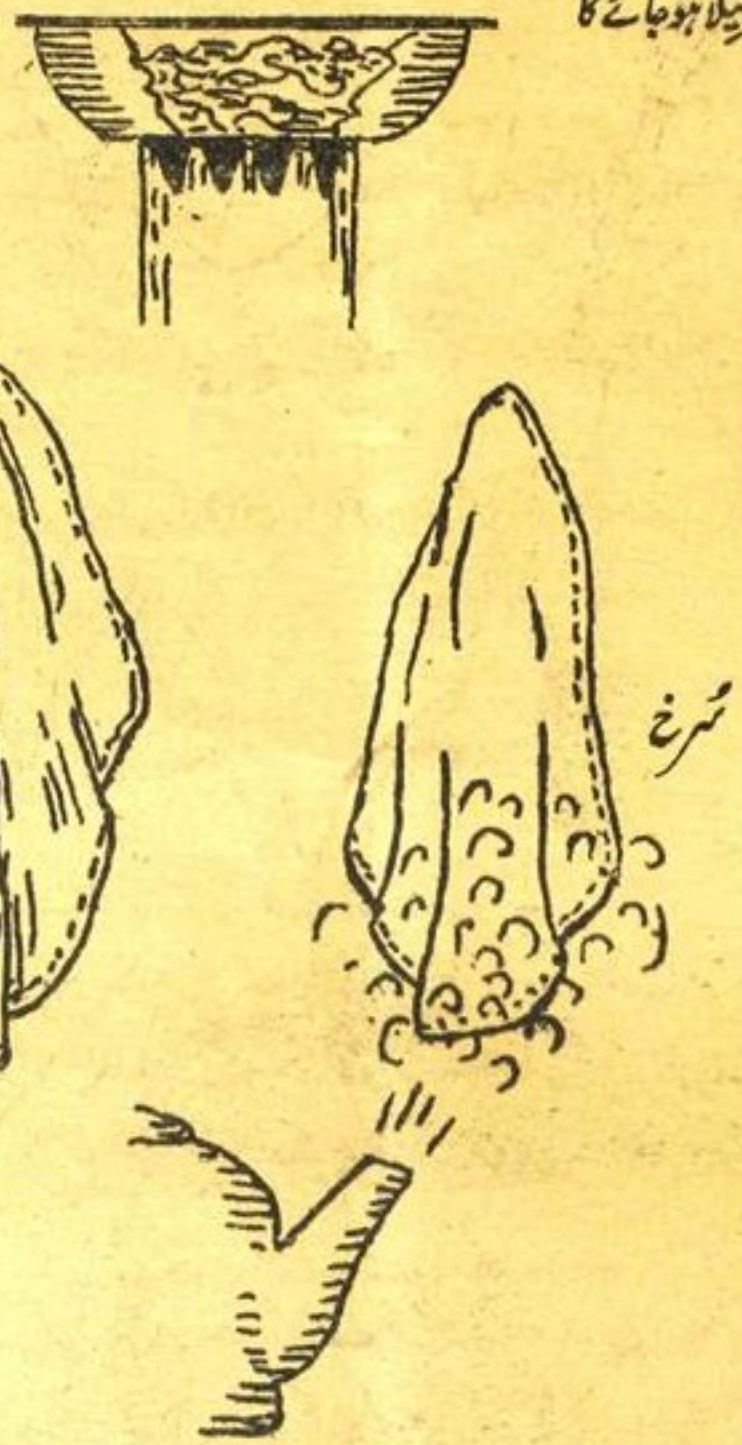

پانی شراب اور دودھ کے رنگ کا — فراہم کیجئے : (۱) Phenolphthalein - (۲) Ammonia water (۳) Hydrochloric Acid - (۴) Silver Nitrate Solution — بوتل — تین گلاس -

نمبر (۱) کے چند قطرے ایک بوتل پانی میں ڈال دیجئے - تین گلاس میز پر علٰحدہ علٰحدہ رکھ کر ایک میں نمبر ۲ کے چند قطرے دوسرے میں نمبر ۳ کے چند قطرے اور تیسرے میں نمبر ۴ کے چند قطرے ڈالدیجئے — اس کے بعد بوتل کا پانی پہلے گلاس میں ڈالئے تو شراب کا سا رنگ آئے گا - اب دوسرے گلاس کا سُرخ پانی تیسرے میں ڈالئے تو سفید دودھ کا سا رنگ ہو جائے گا — اگر رنگ خاطر خواہ پیدا ہو تو دواؤں کی مقدار آپ زیادہ کر سکتے ہیں -

جادو کی سائنس — چونے کی ایک ڈلی لیکر اس پر پانی ڈالئے، جب چونا کھل کر حل ہو جائے تو تھوڑا سا پانی اور ڈال کر چونا تہ نشین ہو جانے دیجئے۔ اس کے بعد اوپر کا صاف پانی کسی برتن میں لے لیجئے — کسی چھوٹی شیشی میں یہ چونے کا پانی لیکر اس میں ایک قطرہ محلول Phenolphthalein کا ملا دیجئے تو اس کا رنگ سُرخ ہو جائے گا۔ لیکن جب آپ کسی ٹیوب کے ذریعہ سے اپنی سانس اس میں داخل کریں گے تو وہ پھر سفید رنگ کا ہو جائے گا۔ کیونکہ آپ کی سانس میں کاربن تھا اور اس نے رنگ بدل دیا۔

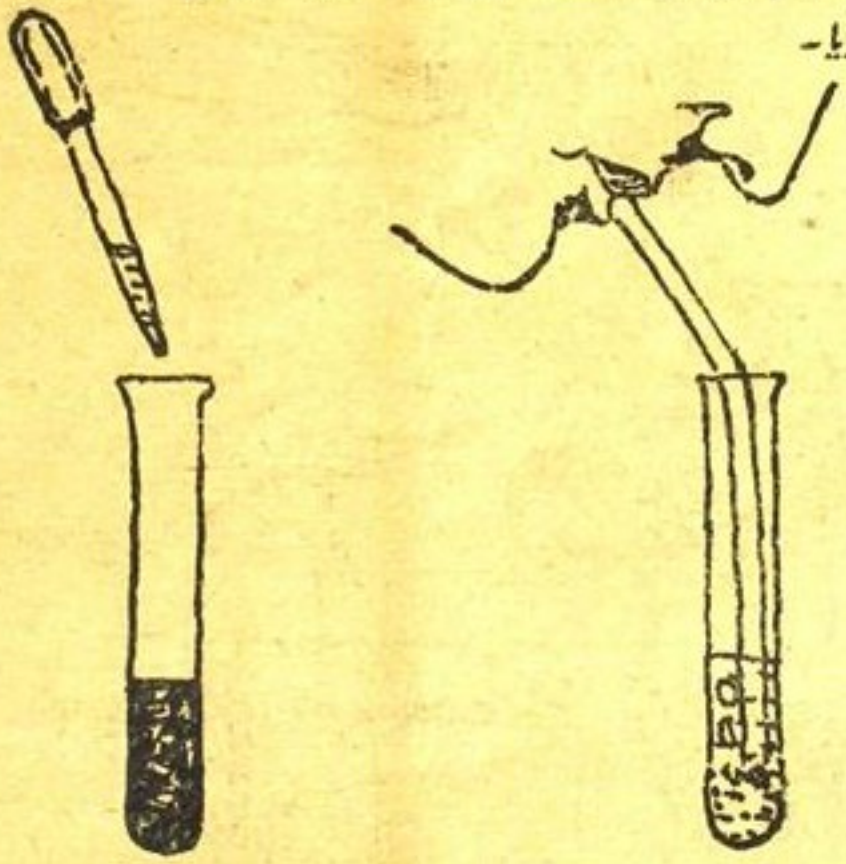

کیمیاوی درخت — جست کا ایک پترا لیکر شکل الف کی طرح قینچی سے کاٹ لیجئے اور پھر کٹے ہوئے حصوں کو موڑ کر شکل ب کی طرح گویا ایک درخت کی صورت دیجئے۔ نیچے کے حصے کو اس طرح جھکا دیجئے کہ یہ جست کا درخت زمین پر ٹھہر سکے۔ کسی چوڑے منہ کے شیشے کے برتن میں پانی بھر کر ایک چمچ Lead Acetate ملا دیجئے اور اس میں جست کے درخت کو رکھ دیجئے۔ چند گھنٹے کے بعد یہ واقعی اصلی درخت معلوم ہونے لگے گا۔

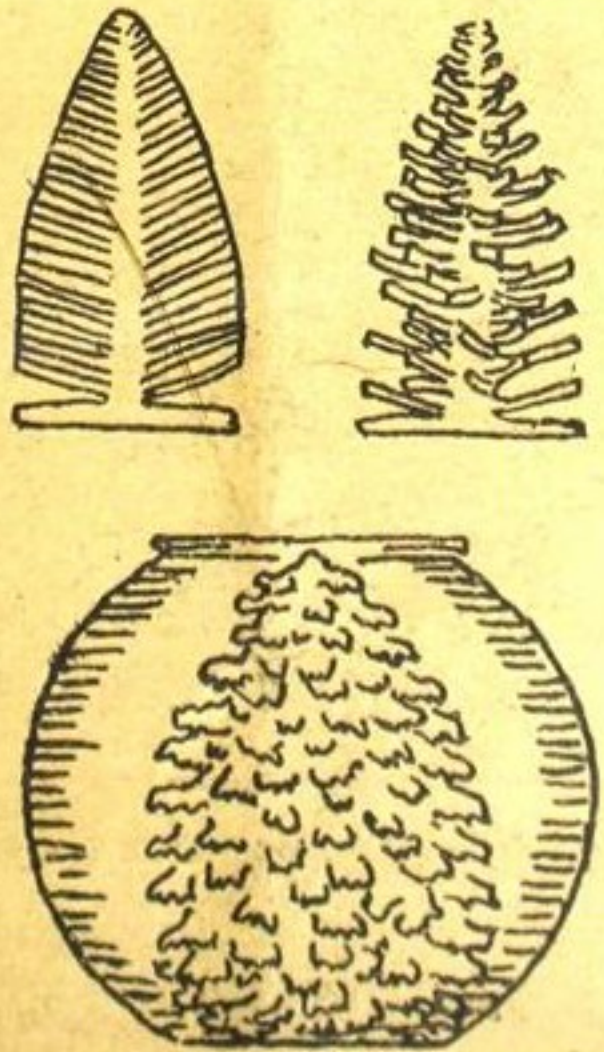

جادو کی آگ — فراہم کیجئے:- (۱) گندھک کا تیزاب — (۲) گندھک — (۳) Potassium Permanganate — اینٹ نمبر ۳ نصف چمچ اینٹ یا سلیٹ پر رکھ کر چند قطرے پانی کے ڈال کر تر کیجئے۔ پھر چند قطرے نمبر ۱ کے ڈالئے اس کے بعد ایک چٹکی گندھک کے سفوف کی چھڑکئے تو شعلہ پیدا ہو جائے گا۔

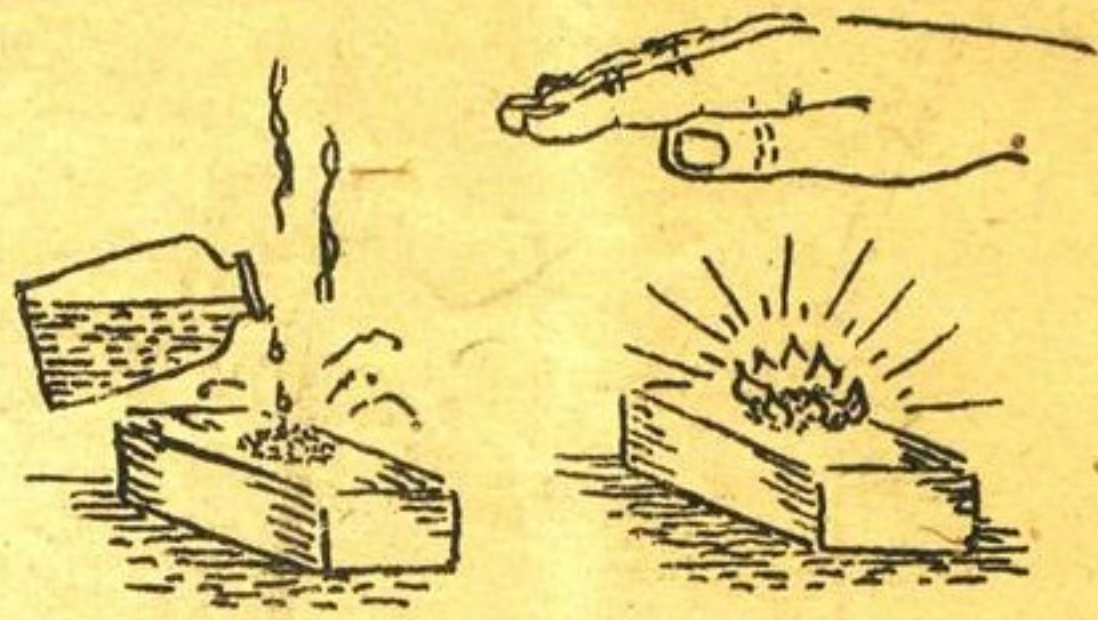

پھلجھڑی بنانا — فراہم کیجئے:- Potassium Chlorate (۱) — (۲) ایلومینم کا برادہ — (۳) کوئلہ — Dextrin (۴) — پتلا تار۔

دو اونس نمبر ۴ ایک بوتل پانی میں حل کر کے رکھ لیجئے۔ پھر ۱۰ اونس نمبر ۱، دو اونس نمبر ۲ اور $\frac{1}{12}$ اونس نمبر ۳ ملا کر بوتل والا محلول ڈالئے یہاں تک کہ سب ملکر گاڑھی گوند کی طرح ہو جائے۔ اسے تار پر لگا کر خشک ہو جانے دیجئے۔ جب آپ اسے روشن کریں گے تو خوشنما سفید پھول پیدا ہوں گے۔

اگر آپ ۱½ اونس Stronitum nitrate کا سفوف ملا دیں گے تو پھول سُرخ پیدا ہوں گے اور دو اونس Barium Nitrate ملا دیں گے تو سبز پھول نمودار ہوں گے۔

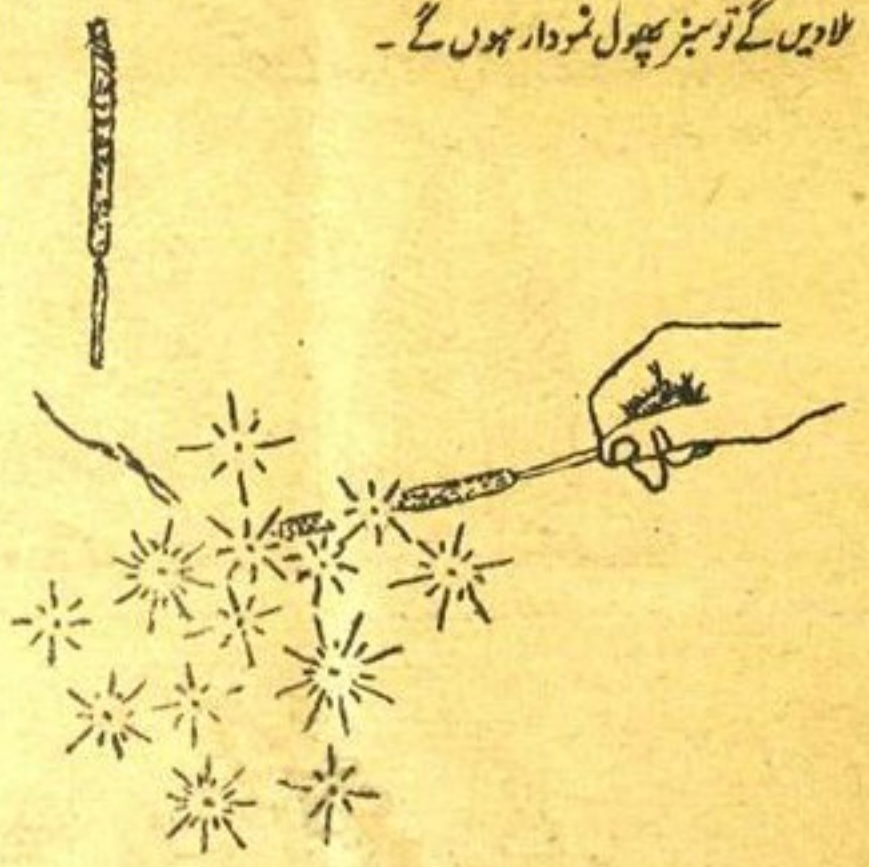

جادو کا سانپ — فراہم کیجئے:- (۱) Potassium bichromate — (۲) Potassium Nitrate — (۳) شکر — (۴) الکحل۔

ٹھیک ٹھیک وزن کر کے تین اونس نمبر ۱، ۱½ اونس نمبر ۲، اور تین اونس شکر لیجئے۔ ان کو علٰحدہ علٰحدہ باریک کر کے چھان لیجئے اور پھر تینوں کو ملا کر تھوڑا سا الکحل اس میں ڈالئے یہاں تک کہ وہ موم کی طرح ہو جائے۔ اس سے چھوٹی چھوٹی مخروطی شکل کی گولیاں بنا کر خشک کر لیجئے۔ ان کو جب آپ آگ

دیں گے تو سیاہ رنگ کا سانپ اس سے پیدا ہوگا۔

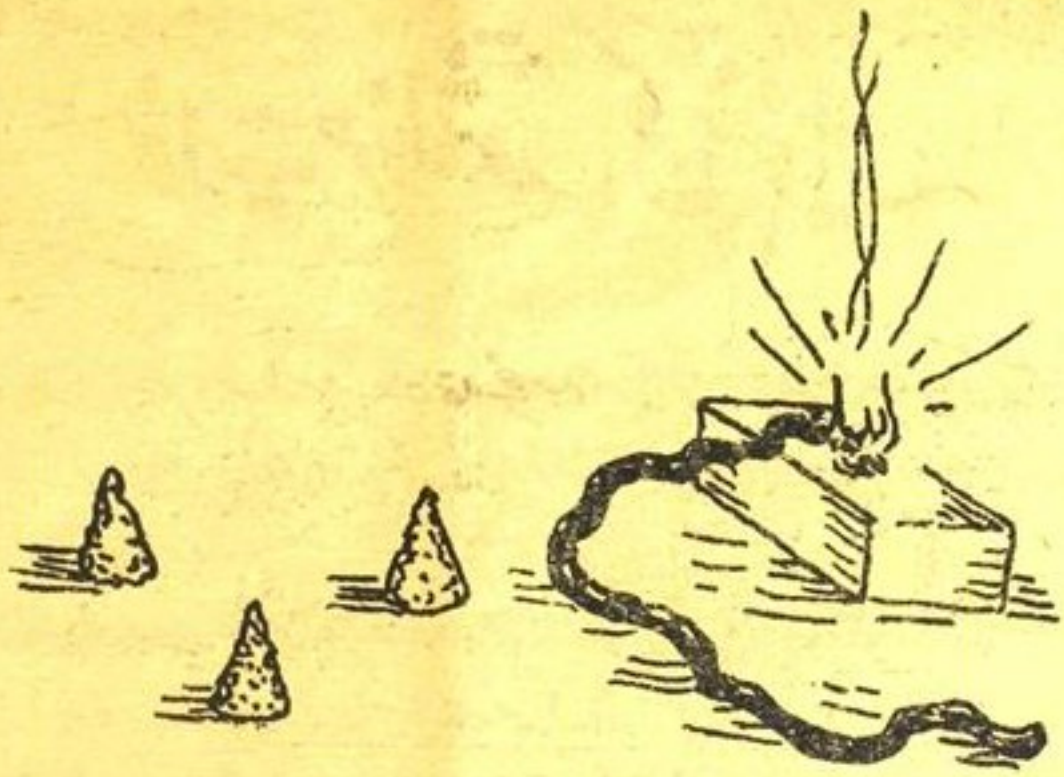

سُنہرا فوارہ — فراہم کیجئے: Potassium Nitrate (۱) — (۲) گندھک — (۳) کاجل۔

ٹھیک ٹھیک وزن کرکے ۹ اونس نمبر (۱)، ۴ اونس نمبر (۲) اور ڈھائی اونس نمبر (۳) لیجئے۔ نمبر (۱) اور نمبر (۲) کو علٰحدہ علٰحدہ باریک کرکے چھان لیجئے اور نمبر ۳ کے ساتھ خوب ملا دیجئے۔ ایک چمچ کسی کاغذ پر رکھ کر کنارے آگ لگا دیجئے اور ہٹ جائیے۔

کاغذی تصویروں میں جان — شیشے کا ایک ٹکڑا، آٹھ نو انچ لمبا اور ۲ انچ چوڑا لیجئے۔ دو کتابیں کم از کم دو انچ موٹی رکھ کر ان پر یہ شیشہ اس طرح رکھ دیجئے گویا اس کا ایک پُل سا بن گیا۔ نیچے دونوں کتابوں کے درمیان جو جگہ ہے، اس میں موی کاغذ کی چھوٹی چھوٹی تصویریں کاٹ کر ڈال دیجئے۔ جب آپ ریشمی رومال سے اس شیشے کو رگڑیں گے تو یہ کاغذی تصویریں اُچھلنے لگیں گی۔

نگار

جنوری فروری ۱۹۴۱ء اور جنوری فروری ۱۹۴۲ء

یہ دونوں پرچے آپ کے پاس ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو اب طلب فرمالیجئے یا ان میں سے کوئی ایک ہے اور دوسرا نہیں، تو دوسرا بھی منگا لیجئے، ورنہ ایک وقت آئے گا کہ مومن نمبر، ظفر نمبر، اُردو شاعری نمبر، ہندی شاعری نمبر کی طرح یہ دونوں نمبر بھی کسی قیمت پر نہ مل سکیں گے۔ ان دونوں نمبروں کی اہمیت کا اندازہ اگر آپ اس وقت نہ کریں گے تو بعد میں کریں گے، لیکن یہ وقت وہ ہوگا جب آپ انھیں حاصل نہ کر سکیں گے۔ دونوں کی قیمت تین روپیہ (علاوہ محصول)

منیجر نگار۔

نواب مرزا شوق کی مثنویاں

ایک زمانہ میں جبکہ میرا دماغ صرف طالب علمانہ ذہنیت کا رہینِ منت تھا، مجھے مولانا حالی مرحوم کے مقدمہ شعر و شاعری کو سمجھنے سے زیادہ رٹنے پر مجبور ہونا اور تحقیق و تدقیق کے بجائے اس بات پر ایمان لانا پڑا تھا کہ نواب مرزا شوق کی بنیاد خواب و خیال کے ان ۴۰ - ۴۵ اشعار پر رکھی گئی ہے جن کا ذکر مولانا نے اپنے بعض احباب سے سُنا تھا۔

زمانہ گزرتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک عرصہ بعد میں آخری تاجدار اودھ واجد علی شاہ اور ان کی بیگم بادشاہ محل صاحبہ کی مثنویات کے مطالعہ سے بہرہ اندوز ہو سکا۔ اسوقت میرے دماغ کے وہ نقوش جو محو ہونے کے قریب تھے پھر اُبھر آئے اور ان باتوں کی یاد پھر دماغ میں چکر لگاتے ہوئے محسوس ہونے لگی جو مولانا حالی کے "محدود مطالعہ" نے ان کے دماغ میں پیدا کر دی تھیں۔ اس وقت میں نے مقدمہ شعر و شاعری کا دوبارہ بغور مطالعہ کیا اور اسی کے ساتھ مثنوی خواب و خیال کا وہ مقدمہ بھی دیکھا جو ہمارے محترم مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے نے اس مثنوی کی طباعت کے وقت اس میں شامل کر کے اپنی عادت مستمرہ کے بموجب شعرائے دہلی کے مقابلہ میں شعرائے لکھنؤ کو گرانے کی سعی لاحاصل کی تھی۔

مولانا حالی مرحوم اور ان کی تائید میں مولوی عبدالحق صاحب مدظلہ نے اپنے خیال میں یہ مسلّمہ قائم کرنے کی سعی کی ہے کہ شعرائے لکھنؤ میں صاف، سلیس اور روزمرہ کی زبان لکھنے کی اہلیت ہی مفقود تھی اس لئے نواب مرزا شوق کو لکھنؤ چھوڑ کر دہلی کی ایک غیر مشہور اور مجہول مثنوی کو اپنا نمونہ بنانا پڑا۔ اس موقع پر ممکن ہے کہ لوگ یہ ایراد کریں کہ مثنوی خواب و خیال کو مجہول کہنا درست نہیں۔ کیونکہ وہ اسوقت انجمن ترقی اُردو کی طرف سے شایع ہو کر ہندوستان کے ہر بڑے کتابخانہ میں موجود ہے لیکن ہم جس زمانہ کا ذکر کر رہے ہیں اس وقت اس کی اس سے زیادہ حیثیت نہ تھی۔ یہاں تک کہ مولانا حالی کی نظروں سے بھی یہ مثنوی نہ گزر سکی اور انھیں اپنے بعض احباب کے کہنے پر اعتماد کرنا پڑا۔ اس لئے یہ کہنا کہ نواب مرزا نے اپنی مثنویوں کی بنیاد "خواب و خیال" پر رکھی سراسر عصبیت و طرفداری اور لاعلمی پر ہے۔ جن حضرات نے ادب اُردو کا وسیع مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ نواب مرزا شوق کی مثنویوں سے بہت ہی کم مدت پہلے واجد علی شاہ اور بادشاہ محل صاحبہ کی مثنویاں عالم وجود میں آچکی تھیں جن میں زبان کا وہ لطف اور چٹخارا بدرجۂ اتم موجود ہے جو میر اثر تو کیا دہلی کے کسی شاعر کو نصیب نہ ہو سکا۔ یہ اور بات ہے کہ ہمارے اُدبائے اُردو ان مثنویوں کے مطالعہ سے محروم رہے ہوں۔ اس وقت یہ چاروں مثنویاں ہمارے پیش نظر ہیں جو واجد علی شاہ کے سرکاری مطبع سلطانی میں طبع ہو کر ہندوستان کے اکثر کتابخانوں میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن ہمارے خیال میں مولانا حالی اور مولوی عبدالحق صاحب کی نظر سے یہ کمیاب مثنویاں نہیں گزریں ورنہ مقدمہ شعر و شاعری و خواب و خیال کے مقدمہ میں یہ نہ لکھا جاتا کہ "مرزا شوق کے زمانہ میں لکھنؤ کی شاعری لفظوں کا گورکھ دھندا ہو کر رہ گئی تھی اور تصنع و تکلف انتہا درجہ پر پہونچ گیا تھا۔" یہ ایک حد تک درست کہا جا سکتا ہے کہ خواجہ آتش اور میر تعشق کے علاوہ دیگر شعرائے لکھنؤ نے غزلگوئی کے مذاق میں قصیدہ گوئی کی سی شان پیدا کر دی تھی۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ تمام اصناف شاعری میں ایسا ہی تھا۔ اہل ذوق اقرار کرتے ہیں کہ لکھنؤ ہی ہے جس نے شاعری کی بہت وسیع اور اہم صنف مرثیہ گوئی کو معراج کمال تک پہونچا دیا اور سارے ہندوستان پر ثابت کر دیا کہ اس میدان میں اہل دہلی باوجود کوشش بلیغ کے بھی محروم و ناکام رہے اور آخر کار انھیں اپنے عجز و مجبوری کا اظہار کرنا پڑا۔

اس کے بعد ہمیں مثنوی نگاری پر نظر ڈالنے۔ اس میں اہلِ لکھنؤ نے جو کمال پیدا کیا اس کا مولانا حالی کو بھی اقرار کرنا پڑا۔ صرف مثنوی سحر البیان ایک ایسی مثنوی ہے جس کو دہلی سے منسوب شاعر میر حسن کی کہکر اہل دہلی فخر و ناز کا علم بلند کرتے رہتے ہیں حالانکہ اگر میر حسن کے سوانح حیات پر نظر ڈالی جائے تو ان کو دہلوی کہنا ایسا ہی معلوم ہوگا جس طرح ہندوستان کے لوگوں کا اپنے آپ کو اکثر بخاری۔ افغانی۔ شیرازی اور نجفی وغیرہ کہنا۔ جن حضرات کی

شعرائے اُردو کے تذکروں پر نظر ہے انھیں بخوبی علم ہے کہ میر حسن ۱۲ سال کے سن میں دہلی چھوڑ کر اودھ آئے اور آخر کار یہیں پیوند خاک ہو گئے بلاشبہ دہلی کو میر حسن کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن اگر موریہ کو موطن قرار دیا جا سکتا ہے تو مرزا غالب اور میر تقی میر اکبر آبادی کہلائے جانے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ لیکن اگر ان دونوں کا منشا دہلی قرار دیکر وطنیت کا سہرا بھی اس کے سر پر باندھا جا سکتا ہے تو پھر میر حسن کو لکھنوی کہتے ہوئے کسی قسم کا تکلف نہیں ہونا چاہئے اور اس کے بعد بے چون وچرا یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ انھوں نے یہیں کے زمانہ قیام میں اور یہیں کے ماحول سے متاثر ہو کر وہ مثنوی لکھی جس پر اہل دہلی کو تو کیا اہل لکھنؤ کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے۔

اب زبان لکھنے والے مثنوی نگاروں کی فہرست میں خواب وخیال کے باعث صرف میر اثر باقی رہ جاتے ہیں۔ لیکن جنھوں نے اس مثنوی کو بغور پڑھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اس میں مثنویت کی کیا شان ہے اور اس میں مثنوی نگاری کی کون کون سی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ بجز اس کے کہ انھوں نے اپنی طبیعت کا زور چند بے سروپا باتوں پر صرف کر ڈالا ہے۔

اس کے بعد ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ صرف تنہا لکھنؤ ہی ہے جس کو اُردو کے مثنوی نگاروں کے مولد و منشا ہونے کا بجا طور پر فخر و امتیاز حاصل ہے اور اس خاک پاک نے ادب اُردو میں ان بیمثال مثنویوں کا اضافہ کیا ہے جن پر ادب اُردو صدیوں تک ناز کرے گا۔ لکھنؤ کی مثنویوں میں سے مندرجۂ ذیل کو امتیازی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے :-

(۱) سحر البیان از میر حسن - (۲) گلزار نسیم از پنڈت دیا شنکر نسیم - (۳) دریائے تعشق - (۴) افسانۂ عشق - (۵) بحر اُلفت از واجد علی شاہ اختر - (۶) لذتِ عشق از آغا حسن نظم لکھنوی - (۷) مثنوی عالم از بادشاہ محل صاحبہ - (۸) طلسم اُلفت از قلق لکھنوی - (۹) فریبِ عشق - (۱۰) بہارِ عشق (۱۱) زہرِ عشق از نواب مرزا شوق لکھنوی - ان کے بعد - (۱۲) حزن اختر از واجد علی شاہ - (۱۳) معراج المضامین از منیر لکھنوی (۱۴) ترانۂ شوق اور (۱۵) عالمِ خیال از شوق قدوائی لکھنوی وغیرہ - ان میں زیادہ تر وہ مثنویاں ہیں جو ملک میں دائر و سائر ہیں۔ صرف واجد علی شاہ اور بادشاہ محل صاحبہ کی مثنویاں کمیاب ہونے کی وجہ سے ناظرین سے جیسا کہ چاہئے خراج تحسین نہ حاصل کر سکیں اور اسی وجہ سے مولانا حالی اور مولوی عبدالحق صاحب کی نظر سے بھی نہ گزر سکیں۔ یہ وہ مثنویاں ہیں جو مرزا شوق کی مثنویوں سے کچھ ہی مدت پہلے عالم وجود میں آئی تھیں۔ ان میں سے ہم واجد علی شاہ کی مثنوی بحر اُلفت اور بادشاہ محل صاحبہ کی مثنوی عالم کے نمونے ذیل میں درج کرتے ہیں۔ ان کو پڑھکر سوچئے کہ کیا اس قسم کی زبان کے اپنے گرد و پیش ہوتے ہوئے نواب مرزا شوق کو کئی سو میل دور کی اس مثنوی (خواب وخیال) کو نمونہ بنانے کا خیال پیدا ہو سکتا تھا جو اس زمانہ میں اپنے بے سروپا مضامین کے باعث قعر گمنامی میں پڑی ہوئی تھی۔

بحر الفت کا نمونہ ملاحظہ فرمائیے :-

تیرے دیدے سے ڈریے اے رنڈی
کیوں نے مرتی ہے مجھے رنڈی
چلو اتنی بناوٹیں نہ کرو

مجھ سے چار آنکھ کیجئے گا ذرا
صاف دیدہ ہے دیکھنا کیسا
یہ کہیں اور جا کے دم دیجے

تم خفا ہو کہ خوش مری جاں،
اتنا ہنسئے کہ رو نہ دے انساں
کتنی بھولی ہیں آپ تو واللہ

اے پر برو مضابقہ کیا ہے
آدمی آدمی پہ ہنستا ہے
مرد وے دل میں اپنے کچھ شرما

تم تو صاحب ہنسی میں روتی ہو
سیدھی باتوں میں ٹیڑھی ہوتی ہو
میں یہ سب جانتی ہوں بدذاتی

رمزیں سننے کی دل کو تاب نہیں
اب مرے پاس کچھ جواب نہیں
مجھ سے پھر آنکھ چار کرتا ہے

پاس آداب پھر اُٹھا دوں گی
لاکھوں صلواتیں پھر سنا دوں گی
تو بھی کیا جعلساز ہے واللہ

اب کہاں تک بھلا میں ضبط کروں
آخرش میں بھی پتا رکھتی ہوں،
ارے او فیلسوف او بدذات

خوب کیا مجھ میں پانی مرتا ہے
کیا مجھے بھی وہ پیار کرتا ہے
تو بڑی چیز بھی اگرچہ اُٹھائے

یہی ہوتے ہیں فعل انساں میں
منو تو ڈار ذرا گریباں میں
تو دبائے بغل میں ایماں ہے

فقرے کیجے یہ بیکے اور کہیں،
یہاں خوشامد پسند طبع نہیں،
اب ترے جُل میں کب میں آتی ہوں

ہٹو مجھ سے لگا دیں نہ کرو
بس بس اب آپ سے قسم لیجے
کوئی جانے کہ کچھ نہیں آگاہ،

چل الگ ہٹ ذرا برائے خدا
کچھ تجھے شرم بھی نہیں آتی،
دیدہ دانستہ تو مکرتا ہے

کس قدر فقرہ باز ہے واللہ
تیرے آگے تو ہے قسم اک بات
تو بھی دل کو مرے یقین نہ آئے

سر تو جھوٹوں کا رحل قرآں ہے
تجھ سے خود لاکھوں جل میں لاتی ہوں

جبکہ اس نے نہ کوئی ڈھب پایا
جان دینے پہ اپنی دھمکایا

بولی کس ناز سے وہ ماہ لقا
لو خدا راس لائے سچ کہنا

جان دینے پہ کیا دلیر ہے تو
کس قدر زندگی سے سیر ہے تو

اپنی دانست میں ڈراتے ہو
لو مرے دل کو آزماتے ہو

چل چخے مردوے حواس میں آ
یہ کسی بیوقوف کو دھمکا،

گر پٹنے کا اس نے قصد کیا
غصے کے تیوروں سے ڈانٹ دیا

خوب کھل کھیلے تم بلانے سے
اچھے چل نکلے منہ لگانے سے

دیکھو کمبختیاں نہ آجائیں
بس زیادہ نہ آپ اترائیں

خوب آکر اودھم مچایا ہے
کیا مجھے مسخرہ بنایا ہے

اتنا کرتے نہیں چپلا پن ،،
خبط میں مبتلا ہیں کیا دشمن

میں بھی پھر کہنے پر جو آؤں گی
سیکڑوں سے بے نقط سناؤں گی

یاں سے ذلت اٹھا کے جاؤ گے
بیحیا ہوگے پھر جو آؤ گے

مجھ سے بھونڈے نہ اختلاط کرو
یہ کہیں اور ارتباط کرو

اور مستانیاں وہ ہوتی ہیں
آبرو جو کہ اپنی کھوتی ہیں

بندی ایسی نہیں ہے اودماتی
رال میری نہیں بہی جاتی،

اب بھلا اور تو امید کہاں
دل کے تو کچھ نکال لو ارماں

چلو تم جی تو اپنا بہلا لو
کچھ گریبان میں تو منہ ڈالو

میں تو قایل ہوں اس ڈھٹائی کی
اور اس دیدے کی صفائی کی

اوروں سے گرمیاں کرو صاحب
ٹھنڈی سانسیں نہ یوں بھرو صاحب

اور کہنا یہ تھا ادا کے ساتھ
ٹوٹ جاویں خدا کرے یہ ہاتھ

اور کہنا ملال سے کہ ہٹو
آگ لگ جائے ایسی باتوں کو

سر جو رکھ دیتے ہیں یہ زانو پر
وہ ہٹاتی ہے مار کر ٹھوکر

کہتی ہے کیا یہ غمزے لائے ہو
خوب کچھ تم مزے میں آئے ہو

آج کل تم کو جوش خوں تو نہیں،
فصد لو فصد لو جنوں تو نہیں،

مثنوی عالم کا نمونہ :-

تم نے اتنی کہاں اڑائی ہے
جس قدر میں نے بھون کھائی ہے

دونوں یہ لڑکیاں جو ہیں شتاہ
ان کے دم میں نہ آنا تم للہ،

بکتی بکتی ہوئی میں دیوانی
ان کے دیدوں کا ڈھل گیا پانی

تھگلی بادل میں یہ لگائیں گی
دیکھنا کیسے گل کھلائیں گی،

میں ادب کرتی ہوں تمہارا بس
اب یہ نخرے نہیں گوارا بس

کھل گئی جس گھڑی کہ میری زباں
کچھ اٹھا رکھوں گی نہیں بھی ہاں

مجھ کو جو رنج ہے وہ کس سے کہوں
نوج یہ بوڑھے چوچلے میں سہوں

میں تو بچپن سے اس محل میں پلی
اور گلی کوچے میں پھری نہ چلی،

آپ کی آنکھ میں جو کھٹکی ہوں،
کیا رونے سے میں بھی اٹکی ہوں

کرتہ شنگرفی میں رنگاتی ہوں
جھری پیڑو کی میں دکھاتی ہوں

یا کہ درباری سے ہے آنکھ لڑی
یا کسی مرد پر پھسل میں پڑی

میری خاطر ہزاری رو تا ہے
بوڑھے چونڈے میں وسم ہوتا ہے

سن کے انا کے یوں مرچ لگی
بولی جھلا کے کیوں ری چھپتیسی

مرنے جوگی ہوئی تو ناشدنی
ایسی باتوں سے کیا ہے جی میں ٹھنی

تجھ سے جنتی نہ تیری ماں دختر
تیرے بدلے نہ نکلا کیوں تھپر

ابھی میں اپنے گھر کو جاؤں گی
بھتی انا کی آج کھاؤں گی

تجھ کو کھڑپچ انھیں سے ہتی ہے
جو نہ کہنا ہے ان کو کہتی ہے

بے سبب جب سے تو انکنے لگی،
میری نظروں میں تو کھٹکنے لگی،

اتنا بک بک کے مجھ کو تم نہ ستاؤ
مغز میرا نہ کھاؤ گھر جاؤ،

کانٹے گلشن کے جھاڑ کے لپٹے
بے طرح پنجے جھاڑ کے لپٹے

اک ذرا ہٹ کے پاس سے بیٹھو
سنبھلو صاحب حواس سے بیٹھو

دیکھنا اختلاط کی خوبی،
مجھ کو یہ دلپذیر ے ڈوبی

باغ میں آکے خار میں ہوں پھنسی
میں تو کوا گہار میں ہوں پھنسی

ان اشعار کے مطالعہ کے بعد کیا کوئی منصف مزاج یہ کہنے کی جرأت کرسکتا ہے کہ نواب مرزا شوق کی مثنویوں کی بنیاد خواب و خیال پر رکھی گئی تھی۔

اس سلسلہ میں یہ دلیل بھی لائی جاتی ہے کہ مرزا شوق کی مثنویوں کے بعض اشعار خواب و خیال کے اشعار سے تقریباً لڑ گئے ہیں۔ چنانچہ مولانا حالی نے اپنے مقدمہ میں لکھا ہے کہ "اس کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ خواب و خیال کے اکثر مصرعے اور شعر تھوڑے تفاوت سے بہار عشق میں موجود ہیں جن میں سے دو ایک شعر ہم کو بھی یاد ہیں" مولانا عبدالحق صاحب نے اس موقع کے تین شعر بہار عشق اور خواب و خیال سے نقل کرکے لکھا ہے کہ "اگر دونوں مثنویوں کے اس قسم کے اشعار برابر برابر رکھ کر پڑھے جائیں تو صاف معلوم ہوجائے گا کہ مرزا شوق نے خواب و خیال ہی کو اپنا نمونہ بنایا اور اسی مثنوی پر انھیں اس قسم کی زبان لکھنے کا خیال پیدا ہوا"

غالباً ان دونوں محرم ہستیوں نے مزید مثنویوں کے مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں فرمائی ورنہ ان کے قلم سے اس قسم کے غیر ذمہ دارانہ الفاظ نہ نکلتے۔ جنھوں نے اُردو کی دیگر مثنویوں کو بھی دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مرزا شوق کی مثنویوں کے اشعار کا ایسا توارد اور مثنویوں کے اشعار سے بھی ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں مثنوی خواب و خیال کے ساتھ میر تقی میر کی مثنوی دریائے عشق۔ واجد علی شاہ کی مثنوی بحر اُلفت اور بادشاہ محل صاحبہ کی مثنوی عالم کے ناموں کو بھی ناظرین کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔ ہم ناظرین کی آگاہی کے لئے ان مثنویوں کے اشعار مرزا شوق کی مثنویوں کے متواتر اشعار کے ساتھ برابر برابر رکھ کر نتیجہ کو ناظرین پر چھوڑتے ہیں ملاحظہ فرمایئے :-

دریائے عشق :- ایک دن دیکھی سے گھبرایا - زہر عشق :- دل مرا بیٹھے بیٹھے گھبرایا
〃 سیر کرنے کو باغ میں آیا 〃 سیر کرنے کو بام پر آیا
〃 ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ 〃 ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ
〃 صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ 〃 صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
〃 رفتہ رفتہ ہوا ہوں سودائی 〃 ہو گئے تم اگرچہ سودائی
〃 دور پہونچی ہے میری رسوائی 〃 دور پہونچے گی اسکی رسوائی
خواب و خیال :- ہتھا پائی سے ہانپتے جانا بہار عشق :- ہاتھا پائی میں ہانپتے جانا
〃 کھلتے جانے سے ڈھانپتے جانا 〃 چھوٹے کرتوں کو ڈھانپتے جانا
〃 وہ ترا منہ سے منہ بھڑا دینا 〃 کبھی منہ سے دیا چبا کر پان
〃 وہ ترا جیب کا لڑا دینا 〃 کبھی ملکر لڑی زباں سے زبان
〃 وہ ترا پیار سے لپٹ جانا 〃 کھول کر دل چمٹ چمٹ کے ملا
〃 اور دل کھول کر چمٹ جانا 〃 کیسا کیسا لپٹ لپٹ کے ملا
〃 ہولے ہولے پکارنے لگنا 〃 چپکے چپکے پکارتی تھی کبھی
〃 ڈھیلے ہاتھوں سے مارنے لگنا 〃 ڈھیلے ہاتھوں سے مارتی تھی کبھی
〃 کس لئے بے حواس رہتا ہے - فریب عشق :- بولی جی کیسا ہے اُداس ہو کیوں
〃 کس لئے یوں اُداس رہتا ہے 〃 کس کا صدمہ ہے بے حواس ہو کیوں
〃 کس لئے ٹھنڈی سانس بھرتا ہے - زہر عشق :- کیسے لئے ٹھنڈی سانسیں بھرتا ہے
〃 کس لئے آہ و نالہ کرتا ہے، 〃 کیوں مرے دل کے ٹکڑے کرتا ہے
〃 نہ رہا لطف زندگانی کا 〃 پھل اُٹھایا نہ زندگانی کا
〃 کچھ نہ پایا مزہ جوانی کا 〃 نہ ملا کچھ مزہ جوانی کا
بحر اُلفت :- وہ گدازی بدن کی وہ پھرتی - بہار عشق :- آستینوں کی وہ چنسی کرتی
〃 تنگ تنگ اونچی اونچی وہ کرتی 〃 جسم میں وہ شباب کی پھرتی
〃 تو بڑی چیز بھی اگر چہ اُٹھائے 〃 تو بڑی روٹی بھی اگر چہ اُٹھائے
〃 تو بھی دل کو مرے یقین نہ آئے 〃 ستیاناس ہو جو باور آئے

بحر اُلفت :- مجھ سے بھونڈا نہ اختلاط کرو - بہار عشق :- آدمیت سے ارتباط کرو
〃 یہ کہیں اور ارتباط کرو 〃 ایسا بھونڈا نہ اختلاط کرو
〃 میں تو قایل ہوں اس ڈھٹائی کی 〃 بلی قایل ہوں اس ڈھٹائی کی
〃 اور اس دیدے کی صفائی کی 〃 اے لو خوبی تری صفائی کی
〃 بندی ایسی نہیں ہے اُدماتی 〃 بات مجھ کو نہیں یہ خوش آتی
〃 رال میری نہیں بہی جاتی 〃 بندی ایسی نہیں ہے اُدماتی
〃 کہتے ہی کیا یہ عمر سے لائے ہو 〃 اچھے آتے ہی اختلاط بڑھائے
〃 خوب کچھ تم مزے میں آئے ہو 〃 خوب نام خدا مزے میں آئے
〃 تو بھی کیا جعلساز ہے واللہ فریب عشق :- ارے او فقرہ باز کیا کہنا
〃 کس قدر فقرہ باز ہے واللہ 〃 واہ رے جعلساز کیا کہنا
〃 چل چخے مردوے حواس میں آ 〃 میرے آگے سوا نہ کر گڑ بڑ
〃 یہ کسی بے وقوف کو دھمکا 〃 چل چخے مردوے حواس پکڑ

مثنوی عالم :- بہار عشق :-
〃 تم نے اتنی کہاں اُڑائی ہیں 〃 تم نے صاحب اگر اُڑائی ہیں
〃 جس قدر میں نے بھون کھائی ہیں 〃 ہم نے بھی بھون بھون کھائی ہیں
〃 غنچہ و گل چٹکتے کھلتے ہیں - فریب عشق :- جھپٹے میں کہیں نکلتے ہیں
〃 دیکھنا دونوں وقت ملتے ہیں 〃 بیٹھو بھی دونوں وقت ملتے ہیں
〃 اسکے منہ پر پڑی جو اسکی نگاہ - زہر عشق :- ہوئی میری جو اسکی چار نگاہ
〃 دل سے بے اختیار نکلی آہ، 〃 منہ سے بے ساختہ نکل گئی آہ
〃 غنچہ و گل چٹکتے کھلتے ہیں، 〃 رخ پہ گیسو ہوا سے ملتے ہیں
〃 دیکھنا دونوں وقت ملتے ہیں 〃 چلئے اب دونوں وقت ملتے ہیں
〃 طور کچھ اس کا ہو گیا بے طور 〃 کچھ عجب ہو رہا ہے جان کا طور
〃 کہتی تھی کچھ نکلتا تھا کچھ اور 〃 کہتی ہوں کچھ نکلتا ہے کچھ اور

اس کے بعد ہمیں لکھنے کی ضرورت نہیں رہتی کہ نمونہ کے لئے مرزا شوق کے سامنے صرف مثنوی خواب و خیال ہی تھی یا اپنے زمانہ میں لکھنؤ ہی کی چند اور بھی

شوق دہلوی تک اور کی ... سائی ہو چکی تھی -

اس کا فیصلہ کہ مرزا شوق کی اس حرکت کو توارد کا بامہ پہنایا جائے یا سرقہ کا الزام ان کے سر تھوپا جائے صاحبانِ بصیرت پر چھوڑتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ اب میں اس موقع پر یہ ضرور عرض کرونگا کہ اگر شوق کی مثنویوں کے مقابلہ میں زیر بحث مثنویاں زبان کے لحاظ سے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں - اور اگر اس کو توارد کے بجائے سرقہ قرار دیا جائے تو بھی ایسا سرقہ فنِ شعر میں جایز و محمود قرار دیا گیا ہے جو اپنے ماخذ سے الگ ہو کر اپنے لطف و خوبی کو زیادہ کر دے اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مرزا شوق کی مثنویوں کی زبان سے کوئی دوسری مثنوی کی زبان لگر نہیں کھا سکتی اس لئے ہم اگر اس کو زیادہ سے زیادہ سرقۂ حسنہ کہیں تو قابل اعتراض نہیں -

ساحل بلگرامی

تصانیف نیاز فتحپوری

نگارستان : حضرت نیاز کے بہترین ادبی مقالات اور افسانوں کا مجموعہ نگارستان نے ملک میں جو درجۂ قبول حاصل کیا اُس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسکے متعدد مضامین غیر زبانوں میں منتقل ہو چکے ہیں - قیمت دو روپیہ (عہ) علاوہ محصول

جاستان : - اڈیٹر نگار کے مقالات ادبی کا دوسرا مجموعہ جس میں ۲۲ افسانے ۳۳ء تک درج ہیں - قیمت چار روپیہ (للعہ) علاوہ محصول

شہاب کی سرگزشت : - حضرت نیاز کا وہ عدیم النظیر افسانہ جو اُردو زبان میں بالکل پہلی مرتبہ سیرت نگاری کے اُصول پر لکھا گیا ہے - قیمت ایکروپیہ علاوہ محصول

مکتوبات نیاز : - اڈیٹر نگار کے تمام وہ خطوط جو نگار میں شایع ہوئے ہیں نیز وہ جو شایع نہیں ہوئے - جذبات نگاری اور سلاست بیان، رنگینی اور البیلے پن کے لحاظ سے فنِ انشاء میں یہ بالکل پہلی چیز ہے - جس کے سامنے خطوط غالب بھی پھیکے معلوم ہوتے ہیں - معہ تصویر حضرت نیاز - ۲۸ پونڈ کے کاغذ پر مجلد شایع ہوئی ہے -
قیمت دو روپیہ آٹھ آنے (عہ) علاوہ محصول

نقاب اُٹھ جانے کے بعد : - نیاز فتحپوری کے تین افسانوں کا مجموعہ جو عرصہ ہوا ختم ہو گیا تھا اب دوبارہ شایع کیا گیا ہے - قیمت علاوہ محصول آٹھ آنے -

ترغیبات جنسی (یا) شہوانیات : - اس کتاب میں فحاشی کی تمام فطری اور غیر فطری قسموں کے حالات اور ان کی تاریخی و نفسیاتی اہمیت پر نہایت شرح و بسط کے ساتھ محققانہ تبصرہ کیا گیا ہے - قیمت علاوہ محصول تین روپیہ (عہ)

مجموعۂ استفسار و جواب ہر سہ جلد : - ان تینوں جلدوں میں ۲۲ء سے لیکر ۳۶ء تک کے استفسار و جواب شایع کئے گئے ہیں - قیمت فی جلد تین روپیہ علاوہ محصول

جذبات بھاشا : - جناب نیاز نے ایک دلچسپ تمہید کے ساتھ بہترین ہندی شاعری کے نمونے پیش کر کے ان کی تشریح کی ہے - قیمت علاوہ محصول بارہ آنے (۱۲)

افلاسفۂ قدیم : - اس مجموعہ میں حضرت نیاز کے تین علمی مضامین شامل ہیں :
۱ - چند گھنٹے فلاسفۂ قدیم کی روحوں کے ساتھ - ۲ - مادیین کا مذہب - ۳ - حرکت کے کرشمے - نہایت مفید و دلچسپ کتاب ہے - قیمت علاوہ محصول ایک روپیہ (عہ)

شاعر کا انجام : - جناب نیاز کے عنفوان شباب کا لکھا ہوا افسانہ حُسن و عشق کی تمام نشہ بخش کیفیات اس کے ایک ایک جملہ میں موجود ہیں، یہ افسانہ اپنے پلاٹ اور انشاء کے لحاظ سے اس قدر بلند چیز ہے کہ دوسری جگہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی - قیمت دس آنے (۱۰) علاوہ محصول

فراست الید : - مولفۂ نیاز فتحپوری، جس کے مطالعہ سے ایک شخص بآسانی ہاتھ کی شناخت اور اس کی لکیروں کو دیکھ کر اپنے یا دوسرے شخص کے مستقبل سیرت عروج و زوال موت و حیات، صحت و بیماری، شہرت و نیکنامی وغیرہ کے صحیح پیشین گوئی کر سکتا ہے - قیمت علاوہ محصول ایک روپیہ (عہ)

مذاکرات نیاز : - یعنے حضرت نیاز کی ڈائری جو ادبیات و تنقید عالیہ کا عجیب و غریب ذخیرہ ہے - ایک بار اس کو شروع کر دینا اخیر تک پڑھ لینا ہے اس کتاب کی بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں -
قیمت علاوہ محصول ایک روپیہ آٹھ آنے (عہ)

گہوارۂ تمدن : - یہ وہ معرکۃ الآرا کتاب ہے جس میں تاریخ و اساطیر سے ثابت کیا گیا ہے کہ تمدن کی ترقی میں عورت نے کتنا زبردست حصہ لیا اور دنیائے تہذیب و شایستگی اس کی کس قدر ممنون ہے - اُردو میں اس موضوع پر اس سے قبل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی -
مصنف کو اس کتاب پر ریاست بھوپال سے ایک ہزار روپیہ انعام ملا تھا -
قیمت علاوہ محصول دو روپیہ (عہ)

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

اُردو میں اعداد کا ناقص طرزِ تحریر

دنیا کی مروجہ زبانوں میں چینی زبان کے علاوہ جس کا رسم الخط عمودی ہے بقیہ کل زبانیں دائیں سے بائیں کو لکھی جاتی ہیں اور ان میں عربی فارسی اور اُردو دیگر السنۂ شرقیہ و غربیہ سے، اپنے مخصوص طرزِ تحریر کے لحاظ سے ممتاز نظر آتی ہیں لیکن جہاں تک علم الحساب میں اعداد و شمار کا تعلق ہے ان سب میں قطعی طور پر یکسانیت پائی جاتی ہے اور اعداد ہمیشہ بائیں جانب سے دائیں جانب لکھے پڑھے جاتے ہیں۔ صحیح طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس سلسلہ میں کون سی زبان کس زبان کی رہین منت ہے اور بالخصوص فارسی عربی کی ممنونِ احسان ہے یا نہیں البتہ اُردو نے جہاں اپنے حروفِ تہجی اور رسم الخط وغیرہ کو عربی فارسی زبانوں سے مستعار لیا وہاں اعداد و شمار کے انداز نگارش میں بھی انھیں زبانوں کی مکمل طور پر تقلید کی۔ بہرکیف اس وقت جو کچھ بھی ہوا خواہ عمداً خواہ غیر ارادی طور پر اپنے مقام پر درست و مناسب سہی لیکن اب جبکہ وہ ابتدائی دور ختم ہو چکا ہے اور اُردو اپنی فطری رواداری و ہمہ گیری کے سبب اتنی قلیل عمر کے باوصف دُنیا کی ترقی یافتہ زبانوں کے دوش بدوش نظر آتی ہے۔ ضروری ہے کہ اس باب میں زبان اپنے مخصوص قواعد و ضوابط مرتب کرنے میں آزاد و خود مختار ہو اور دیگر زبانوں کی کورانہ تقلید سے گریز کرکے اپنے دستور و قوانین خود وضع کرے۔ چنانچہ سطورِ ذیل میں اعداد اُردو کے ناقص طرزِ تحریر سے بحث کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس مسئلہ کا معقول حل بھی پیش کیا گیا ہے۔

اس وقت تک تمام زبانوں کے اعداد میں اکائیاں دہائیاں وغیرہ دائیں طرف سے بائیں طرف پڑھی جاتی ہیں مثلاً ۴۳۲ میں ۲ اکائیاں دائیں طرف ہیں، تین دہائیاں، ۲ اکائیوں کے بائیں جانب اور چار سیکڑے تین دہائیوں کی بائیں طرف ہیں۔ لیکن اعداد کی اکائیوں دہائیوں وغیرہ کی یہ ترتیب صرف ان کے سمجھنے تک ہی محدود رہتی ہے اور تحریر و تقریر میں معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے چنانچہ لکھنے پڑھنے میں بھی یہی ترتیب قائم رہتی ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا عدد چار سو بتیس پڑھا پڑھا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ طریقہ بائیں جانب سے دائیں جانب لکھی جانے والی زبانوں کے طرزِ تحریر کے عین مطابق ہے لہٰذا اس معاملے میں وہ زبانیں حق بجانب ہیں لیکن اُردو میں صورتِ حالات مختلف ہے جہاں تحریر کی ابتدا دائیں جانب سے ہوتی ہے۔

اعداد اگر جداگانہ طور پر لکھے یا پڑھے جائیں تو مروجہ ترتیب سے زیادہ ہرج نہیں ہوتا اور ان کو کسی جانب سے بھی شروع کیا جا سکتا ہے لیکن جہاں عبارت کے درمیان میں اعداد آجاتے ہیں اصل دقت وہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے موقع پر لکھنے والا بالعموم آخری لفظ کے بعد کچھ جگہ چھوڑ کر بائیں جانب سے ہندسے لکھنا آغاز کرتا ہے اور عدد کو دائیں طرف ختم کرکے از سرِ نو اس کے بائیں جانب سے لکھنے لگتا ہے۔ یہ بات مندرجۂ ذیل شکل سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے:-

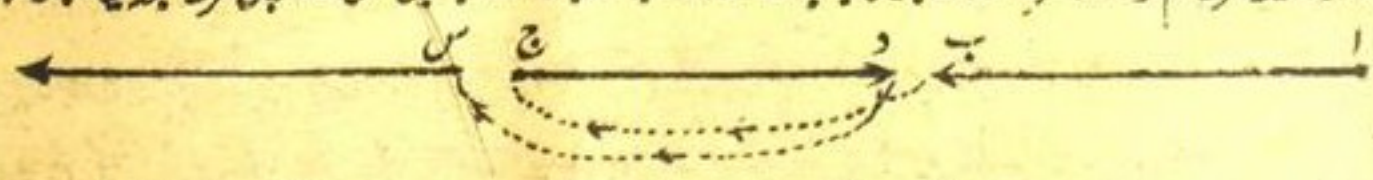

آ سے شروع ہو کر جس وقت عبارت مقام ب پر پہونچتی ہے لکھنے والا اپنی نگاہ و توجہ کے ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ کو بھی مقام ج تک لے جاتا ہے اور تحریر کو مخالف سمت شروع کرکے مقام د پر ختم کرتا ہے۔ پھر دفعتہً اس کی نگاہ و توجہ مقام د سے جست کرکے مقام س تک پہونچتی ہے اور ان کے ساتھ کاتب اپنے ہاتھ کو جنبش دے کر وہاں تک لے جاتا ہے۔

یہ طریقہ اُردو کی فطرتِ نگارش کے خلاف بھی ہے اور دقت طلب بھی۔ خلافِ فطرت یوں ہے کہ لکھنے والے کو اپنی تمام توجہ دائیں جانب سے بائیں جانب اور بائیں جانب سے دائیں جانب دفعتہً مبذول کرنا پڑتی ہے پھر یہی نہیں بلکہ نگاہ پر بھی بار زیادہ ہو جاتا ہے۔ نفسیاتی نقطۂ نظر سے صحت دماغ پر اس کا خراب اثر پڑتا ہے چنانچہ ہوتا بھی یہی ہے کہ اس قسم کی تحریر سے دماغ جلد تھک جاتا ہے اور طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ دقت طلب یوں ہے کہ اکثر اعداد کی جسامت کا صحیح اندازہ نہ ہونے کے باعث خالی جگہ یا تو کم چھوٹ جاتی ہے یا زیادہ۔ چنانچہ پہلی صورت میں عدد کے آخری ہندسے مجبوراً چھوٹے کر دئے جاتے ہیں اور دوسری صورت آخری ہندسوں

کا درمیانی فاصلہ بڑھا دیا جاتا ہے یا خلا باقی رہ جاتا ہے ۔ بہرحال تحریر دونوں طرح بدنما ہو جاتی ہے ۔

یہ تو رہیں وہ دقتیں جو الفاظ اور ہندسوں کے ساتھ ساتھ لکھے جانے سے رونما ہوتی ہیں اور جو علی العموم پیش آیا کرتی ہیں ۔ ان کے علاوہ ایک مختلف قسم کی دشواری جس کی اہمیت سررشتہ تعلیم سے مخفی ہے اور عوام سے اس کو زیادہ تعلق نہیں ہوتا حساب کے ابتدائی قاعدوں کے سوالات میں اساتذہ و طلبہ کو اُردو مدارس میں کم اور انگریزی مدارس میں خاص طور پر محسوس ہوتی ہے ۔

جمع اور ضرب کے سوالات میں تو بہرصورت نبھ جاتی ہے لیکن تقسیم و تفریق کے موقع پر غلطی کا امکان پیدا ہوتا ہے اور بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ ہمارے محکمہ تعلیم کے ناخداؤں اور پیشواؤں نے انگریزی ہندسوں کو اُردو ہندی میں بھی لازمی قرار دے رکھا ہے یہ امکان واقعہ کی حد تک پہونچ کر یقین کی صورت اختیار کر لیتا ہے ۔ مثلاً ½ ÷ ¼ کو انگریزی ہندسوں میں لکھ کر انگریزی تحریر کے مطابق پڑھنے سے اس کا جواب ۲ آتا ہے لیکن اُردو ہندسوں میں لکھنے پڑھنے سے اس کا جواب ½ نکلتا ہے ۔ یہ مصیبت بھی اُردو پڑھنے والے بچے کے لئے کم نہ تھی کہ اس پر حساب کی دیسی کتابیں لکھنے والوں نے بالعموم یہ اور قیامت ڈھائی ہے کہ اس قسم کے سوالات کو کہیں اُردو کے قاعدے سے لکھا ہے اور کہیں انگریزی طریقے سے تحریر کیا ہے اور اس پر ستم ظریفی یہ کہ ہمارے محکمۂ تعلیم نے ان کتابوں کو بچوں کے نصاب تعلیم میں منظور بھی فرما لیا ہے ۔

ضرب کے سوالات میں البتہ اس غلطی کا امکان کم ہے اس لئے کہ ہمیشہ بڑے عدد میں سے چھوٹا عدد منہا کیا جاتا ہے لہٰذا حل کرنے والا اپنی غلطی محسوس کر سکتا ہے ۔ لیکن کسر کے طولانی سوالات میں بچے کے لئے اس قسم کا احساس دشوار ہے اور اگر ہو بھی سکتا ہے تو حل کے بالکل آخری حصے میں جبکہ وہ اپنا کافی وقت اور پوری دماغی قوت صرف کر چکتا ہے ۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہم اپنی غلطی کا بار بچے کے سر رکھتے ہیں اور اسی کو اس کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں ۔ یہ ایک صریح ظلم ہے کہ ہم اپنے ضمیر کو بھی دھوکا دیتے ہیں اور دوسرے کو بھی فریب دینا روا رکھتے ہیں ۔

اس بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ ان تمام مشکلات کا ذمہ دار اعداد اُردو کا ناقص طرز تحریر ہے اور اس ناقص طرز تحریر کا تمام تر بار ہماری کورانہ تقلید قدامت پرستی اور سہل انگاری کے سر ہے اس لئے کہ ذرا سی توجہ سے یہ معاملہ بالکل طے ہو جاتا ہے ۔ چنانچہ اگر ہم اعداد کو بھی الفاظ کے اندازِ نگارش کے مطابق لکھنے لگیں تو یہ دشواریاں یکقلم موقوف ہو جائیں یعنی اکائی کو دائیں طرف نہ رکھ کر بائیں جانب قائم کریں مثلاً چار سو بتیس کو بجائے ۴۳۲ کے ۲۳۴ لکھنے لگیں تو تحریر و تقریر دونوں میں سہولت پیدا ہو جائے ۔ اس طرح ہندسوں کے مقامات تبدیل کرنے سے ہماری گنتی یوں ہونا چاہئے :-

۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ و ۱۲ و ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ و ۱۶ و ۱۷ و ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ و ۲۱ و ۲۲ و ۲۳ و ۲۴ و ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ و ۲۹ و ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ و ۳۳ و ۳۴ و ۳۵ و ۳۶ و ۳۷ و ۳۸ و ۳۹ و ۴۰ و ۴۱ و ۴۲ و ۴۳ و ۴۴ و ۴۵ و ۴۶ و ۴۷ و ۴۸ و ۴۹ و ۵۰ و ۵۱ و ۵۲ و ۵۳ و ۵۴ و ۵۵ و ۵۶ و ۵۷ و ۵۸ و ۵۹ و ۶۰ و ۶۱ و ۶۲ و ۶۳ و ۶۴ و ۶۵ و ۶۶ و ۶۷ و ۶۸ و ۶۹ و ۷۰ و ۷۱ و ۷۲ و ۷۳ و ۷۴ و ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۷۹ و ۸۰ و ۸۱ و ۸۲ و ۸۳ و ۸۴ و ۸۵ و ۸۶ و ۸۷ و ۸۸ و ۸۹ و ۹۰ و ۹۱ و ۹۲ و ۹۳ و ۹۴ و ۹۵ و ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰ ۔

اب اگر ہم ہندسوں میں پینسٹھ لاکھ اٹھتر ہزار نو سو باون لکھنا ہے تو یوں لکھیں گے ۔ (۲۵۹۸۷۵۶) اور اکائی دہائی سیکڑہ وغیرہ دائیں سے بائیں کے بجائے بائیں سے دائیں کو شمار کریں گے ۔ یا اگر بیالیس اعشاریہ چار تین آٹھ لکھنا ہے تو یوں لکھیں گے (۸۳۴ ، ۲۴) اور اعشاریہ کے مراتب کو دائیں سے بائیں ' دسواں ' ' سواں ' ' ہزارواں ' حصہ سمجھیں گے ۔ یا مثلاً پونے چار آنے کو ۳۰/۴ لکھیں گے اور بڑی بڑی رقوم تو ہمیشہ سے اسی طرز پر لکھی جا رہی ہیں مثلاً ایک ہزار پانچ سو ستاون روپیہ ۔ ۱۵۵۷ صد ، لکھے جاتے ہیں ۔

الغرض اعداد اُردو کو اس طرح لکھنے سے تمام دقتیں از خود غائب ہو جائیں گی اور تحریر میں روانی ہموار اور سہولت پیدا ہو جائے گی ۔ علاوہ ازیں اس امتیازی طریقے سے طلبہ کی مشکلات کا بھی خاتمہ ہو جائے گا اور وہ انگریزی ہندسوں میں لکھے ہوئے سوالات کو انگریزی قاعدے سے اور اُردو ہندسوں میں لکھے ہوئے سوالات کو اُردو قاعدے سے حل کرنے لگیں گے ۔ اُردو سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب سے امید ہے کہ وہ اس باب میں ٹھنڈے دل سے غور فرما کر اپنی گرانقدر رائے سے اس تاریک پہلو پر بھی روشنی ڈالیں گے اور مجھے میری تجویز کی صحت و عدم صحت سے آگاہی بخشیں گے ۔

سید محمود نقوی سہیل

شاعرِ فطرت

فطرت تری آواز ہے، فطرت ہی تیرا ساز ہے
فطرت کا تو ہمراز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

جوہر دکھائے نطق کے، دیکر زباں جذبات کو
کیا سحر گیں انداز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

کہسار تیرے نقطہ، گلشن کو تیری آرزو
آغوشِ صحرا باز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

ساحل کی ہو لب تشنگی، یا اضطراب موج ہو
تو دونوں کا غماز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

بالانشاط و غم سے ہے، بازیچہ گاہِ دہر میں
سب کا مگر دمساز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

نغموں کے گل بکھرا دئے سازِ محبت چھیڑ کر
کیا نغمے ہیں، کیا ساز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

اک جنبشِ لب نے تری گمنام کو نامی کیا
آواز یا اعجاز ہے! اے شاعرِ رنگیں نوا

قربانی و ایثار ہیں زندہ ترے الفاظ میں
تو غیب کی آواز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

ہر نالۂ موزوں ترا، تاثیر میں ڈوبا ہوا،
اک شاہدِ طناز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

تجھ سے فروغِ حسن ہے، تجھ سے ہے شہرہ عشق کا
تو نقشبندِ راز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

انجام ہر آغاز کا تجھ پر ہوا ہے آشکار
عالی تری پرواز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

وجداں ترا الہام ہے، پیغام تیرا عشق ہے
دل خوابگاہ ناز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

شہبازِ عقل و ہوش کے جلتے ہیں پر جس اوج پر
تیرا وہ پاانداز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

سائنس اور حکمت جہاں تاریکیاں ہیں جہل کی
تو آئینہ پرواز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

وہ گیت گا، وہ سوز بھر، یا جاگ اُٹھے یا جل اُٹھے
دُنیا کہ محو آز ہے، اے شاعرِ رنگیں نوا

خان بہادر مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنؤ

روس کی موجودہ صحافت

سوویٹ یونین میں اس وقت نو ہزار اخبار، ستر زبانوں میں شایع ہو رہے ہیں، اور حملۂ جرمنی کے وقت ان اخباروں کی کاپیوں کی مجموعی تعداد تین کروڑ تیس لاکھ تھی۔ یہ اخبار تین قسم کے ہیں، ایک وہ جو حکومت کے قومی ادارہ سے شایع ہوتے ہیں اور ان کی اشاعت ایک کروڑ ہے، اور دوسرے وہ جو ماسکو سے باہر روس کی یونین ریپبلکوں کے پندرہ صدر مقاموں اور دوسرے بڑے بڑے شہروں سے شایع ہوتے ہیں، اور ان کی اشاعت ایک کروڑ ۲۰ لاکھ ہے اور تیسرے وہ جو ضلعات کے زراعتی و صنعتی اداروں سے متعلق ہیں اور ان کی اشاعت ایک کروڑ ۶۰ لاکھ ہے۔

ہر چند یہ اعداد و شمار ایسے نہیں جو یوروپ کے دوسرے ممالک کے مقابلہ میں کوئی خاص اہمیت رکھتے ہوں، لیکن حکومت زار کے مقابلہ میں یقیناً بہت حیرتناک ہیں۔

زار کی حکومت میں انقلاب سے قبل (۱۹۱۳ء) یہاں صرف ۸۵۹ اخبار شایع ہوتے تھے جن کی مجموعی تعداد اور اشاعت پونے تین کروڑ سے زیادہ نہ تھی ان میں ۷۰۰ اخبار روسی روسی زبان میں شایع ہوتے تھے اور انھیں کی اشاعت زیادہ تھی۔ باقی ۸۴ اخبار جو غیر روسی زبان کے تھے وہ بہت کم تعداد میں چھپتے تھے۔

۳۹ء میں روسی زبان کے اخباروں کی تعداد اٹھ گنی ہوگئی (یعنی ۶۲۳۶) اور غیر روسی زبان کے اخباروں کی تعداد ۶ گنا بڑھ گئی (یعنی ۱۰۱۲)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ سوویٹ حکومت نے عام تعلیم کی طرف کتنی توجہ کی اور ملک کی غیر روسی قوموں کو روسی قوم کی سطح تک لانے میں کس قدر جد و جہد سے کام لیا۔ لیکن فرق یہ ہے کہ برطانوی اخباروں کی اس ترقی میں زیادہ تر لندن کے اخباروں کا حصہ تھا اور روس میں ماسکو سے باہر ملک کے اضلاع کو ترقی کا زیادہ موقع دیا گیا۔ اس لئے جس حد تک ملکی صحافت کا تعلق ہے، روس کو برطانیہ کے مقابلہ میں بھی درجۂ امتیاز حاصل ہے۔

اب سے ۲۵ سال پہلے روسی اخباروں کے لئے کاغذ تمام تر باہر سے آتا تھا، کیونکہ یہ صنعت وہاں بہت پیچھے تھی، لیکن جب انقلاب ہوا تو یہ بھی طے کیا گیا کہ اخباروں کے لئے کاغذ باہر سے نہ آئے گا بلکہ ملک کے اندر ہی بنایا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اثر وہاں کے اخباروں پر پڑنا چاہئے تھا، کیونکہ کاغذ سستا جلد تو طیار ہو نہ سکتا تھا اور اسی لئے اخباروں کی اشاعت ایک کروڑ سے کم رہ گئی، لیکن گیارہ سال کے اندر ہی اندر کاغذ سازی کی صنعت نے وہاں اس قدر ترقی کر لی کہ ۳۸ء میں تقریباً چار کروڑ کاپیوں کا کاغذ ملک کے اندر طیار ہونے لگا۔

روسی صحافت کے اس قدر ترقی کر لینے کا خاص سبب وہاں کا نظام حکومت ہے جس نے شخصی و انفرادی ملکیت کو ختم کر دیا ہے، چنانچہ اب سے ۲۰ سال پہلے جب بالشیوک حکومت نے ذاتی ملکیت کی جگہ قومی و اجتماعی ملکیت کے اصول کو رائج کیا تو وہاں کے اخبار بھی اسی اصول پر شایع ہونے لگے اور ذاتی ملکیت سے آزاد ہو گئے۔

ماسکو میں اس وقت جتنے اخبار نکل رہے ہیں ان میں سے بعض وہ ہیں جنھیں حکومت کے مختلف محکمے اور تجارتی ادارے نکال رہے ہیں، بعض وہ ہیں جنھیں تنہا حکومت چلا رہی ہے، بعض اخبار محکمۂ بحریہ کے ہیں اور بعض فوج کے۔ ان میں سے چند یہ ہیں:-

۱- ازوسٹیا (Izvestia) جس کی اشاعت تقریباً ۱۰۰ لاکھ ہے، حکومت کا اخبار ہے۔

۲- پراودا (Pravda) جس کی اشاعت ۲۲ لاکھ ہے، کمیونسٹ پارٹی کا اخبار ہے۔

۳- کامس کومولکایا (Komsomolskaya) جس کی اشاعت سات لاکھ ہے۔ نوجوان لیگ کا اخبار ہے۔

۴- پائیر سکایا (Pioners kaya) جس کی اشاعت ۸ لاکھ ۵۰ ہزار ہے، بچوں کا اخبار ہے جسے نوجوانوں کی کمیونسٹ لیگ شایع کرتی ہے۔
۵- ٹرڈ (Trud) تجارتی اداروں کی مرکزی کونسل کا اخبار ہے۔

ماسکو سے باہر صوبوں کے بڑے بڑے اخبار وہاں کے مختلف اداروں کے ہاتھ میں ہیں، چنانچہ ۳۹ء میں اس قسم کے ۵۰۰ روزانہ اخبار صوبوں کی حکومتوں کی طرف سے شایع ہوتے تھے، ۳۵۰۰ اخبار زراعتی اضلاع کی طرف سے اور ۴۶۰۰ کارخانوں کی طرف سے۔

سوویٹ اخبار خواہ وہ کسی طبقہ کی نمایندگی کریں، ملک کی نہ صرف عام سیاسیات میں نمایاں حصہ لیتے ہیں بلکہ تمام اقتصادی، صنعتی، تجارتی اور سوشل مسایل میں بھی اپنی مستقل آواز رکھتے ہیں، اور یہی سبب ہے کہ ۲۵ سال کے اندر ملک کی حالت بدل گئی اور وہاں کے ایک ایک بچہ میں قومی جوش و ولولہ پیدا ہوگیا ہے۔ وہاں کا ہر ہر فرد سمجھتا ہے کہ ملک اُس کا ہے اور ملک کی حفاظت و ترقی میں حصہ لینا اس کا فرض ہے۔

جب سے جنگ شروع ہوئی ہے اہلِ ملک اور ملک کے اخباروں کی توجہ دوسرے مسایل سے ہٹ کر صرف سامانِ جنگ کی طیاری و فراہمی کی طرف مبذول ہوگئی ہے اور روس کے ۵۰ ہزار صحافیوں کی زندگی صرف صحافت کے لئے وقف نہیں ہے بلکہ وہ میدانِ جنگ میں جاکر لڑتے بھی ہیں، اسلحہ سازی کے کارخانوں میں بھی کام کرتے ہیں اور وہ ہر اس خدمت کے لئے آمادہ نظر آتے ہیں جو اُن کے قومی وقار اور ان کی ملکی عزت کو قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

روس کی صحافت کا ایک خاص شعبہ "دیوار کی صحافت" بھی ہے، اس سے کاغذ کے وہ بڑے بڑے تختے مراد ہیں جن پر خبریں یا کارٹون وغیرہ چھاپ کر مکانوں سڑکوں، گلیوں اور کارخانوں کی دیواروں پر چسپاں کر دیتے ہیں اور اسی سے وہاں کی صحافت کی تعلیم ہوتی ہے۔ اس صحافت کو وہاں کے والنٹیر انجام دیتے ہیں اور اس طرح ملک کے تمام اعداد و شمار، اہم واقعات، ضروری خبریں، دلچسپ تصویریں، عام معلومات، اور دنیا کے سیاسی رجحانات پبلک کے سامنے بیک وقت آسانی کے ساتھ آجاتے ہیں۔

اس وقت روس کے جتنے بڑے بڑے صحافی ہیں، ان سب کی ابتدائی صحافتی زندگی اسی دیوار والی صحافت سے شروع ہوئی تھی اور آیندہ جو صحافی پیدا ہونے والے ہیں وہ بھی اسی طرح اُٹھیں گے۔

لینن کا قول تھا کہ "روس کے ایک ایک باورچی کو عنانِ سلطنت ہاتھ میں لینا سیکھنا چاہئے" اور اس میں شک نہیں کہ روس کی صحافت نے جو عام ذہنی انقلاب ملک میں پیدا کر دیا ہے، وہ لینن کی اس خواہش کو پورا کرکے رہیگا۔

مطبوعات طاق بستاں

خواب کی دُنیا :- اس موضوع پر یہ کتاب آخری لفظ کی حیثیت رکھتی ہے اگر آپ کو بھی اس عالم سے دلچسپی ہے تو اس کتاب کو ملاحظہ فرمایئے جس میں مولانا عبدالمالک آروی نے فریوڈ کی تحقیقات کو بہت سے مفید حواشی کے ساتھ اُردو میں پیش کیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ علاوہ محصول

الہامات شاد :- شاد عظیم آبادی کے رتبۂ شاعری سے ہر شخص واقف ہے لیکن ان کے کلام کا انتخاب معہ ایک انتقادی و تاریخی مقدمہ کے دیکھنا چاہتے ہیں تو مولانا عبدالمالک کی اس تالیف کو ملاحظہ فرمایئے۔ قیمت ۸ر علاوہ محصول

اقبال کی شاعری :- یہ کتاب مولانا عبدالمالک کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اقبال پر اُردو میں اس سے بہتر نقد و تبصرہ شاید ہی کہیں اور نظر آئے اس کی مقبولیت کا ثبوت یہ ہے کہ اس کا پہلا اڈیشن ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔ قیمت دس آنے علاوہ محصول۔

مقام محمود :- مولانا عبدالمالک کے ادبی مقالات کا مجموعہ۔ قیمت دو روپیہ چار آنہ۔ علاوہ محصول

نگار بک ایجنسی۔ لکھنؤ

سرود پس منظر

(بلیک آؤٹ)

جھونپڑے تیرہ، فضا تاریک، دُنیا سوگوار،
اک دُھواں سا چار سو اُٹھتا ہے منڈلاتا ہوا
تیرگی کی وادیاں، تاریکیوں کے کوہسار
اک سیہ طوفاں میں فطرت غسل سا کرتی ہوئی
ظلمت آلودہ نگاہیں، ظلمت آلودہ دماغ،
آئینوں پر ہنس رہے ہیں بدنما چہروں کے داغ

وقت کے سینے میں رُکتی سانس سے پیہم فشار
ہر طرف ابرِ سیہ کا جل سا برساتا ہوا
ہوگیا بیدار گویا دیو انسانیت شکار
ساحلوں تک موج بھی آتی ہے اب ڈرتی ہوئی
ہوش کے سینے میں روشن بدگمانی کے چراغ
ہیں کفِ ظلمات پر روشن تمدن کے چراغ،

جیب و دامن خاک سے، خاشاک سے بھرتے ہوئے
وہ اُٹھے کالے بگولے رقص سا کرتے ہوئے!

یہ اندھیرے، آہ یہ کالی چٹانوں کے محل
وہ محل، قوموں کی تاریخیں بدلتی ہیں جہاں،

آہ، یہ خونناب افشاں داستانوں کے محل،
وہ محل تاریکیاں سورج اُگلتی ہیں جہاں،

وقت کی تقدیر ڈھلتی ہے اسی ظلمات میں
زندگی کروٹ بدلتی ہے انہی سکرات میں!

جن کی راتوں میں اماں لیتے ہیں بیداری کے خواب
جن کے دھاروں سے بدل جاتی ہیں تقدیریں تمام
ظلمتوں میں ڈھل رہے ہیں ہم نشیں وہ آفتاب
مُسکراتی ہیں خراشیں سینۂ آلام کی
قہقہوں کے جائزے گریانیاں لینے کو ہیں
اب اُتارے جائیں گے لعل و گُہر کے سر سے تاج

جن کے ہاتھوں سے بدل جاتے ہیں تاریخوں کے باب
جن کے انگاروں سے جگ جاتی ہیں زنجیریں تمام،
جن کے پنجوں میں سسکتے ہیں ہزاروں انقلاب
خوں سے آلودہ ہیں پھر پیشانیاں ایام کی
کلفتیں ہاتھوں میں شمشیر و سناں لینے کو ہیں
اطلس و کمخواب سے عریانیاں لیں گی خراج

اب لگا دیجائے گی ہر ہیکل عشرت میں آگ
زندگی پائے گی پھر لُوٹا ہوا اپنا سُہاگ!

پروفیسر شور

چین کی ایک خفیہ سوسائٹی

فرانس کا کونٹ پایولا کاسلی جب ایک سیاح کی حیثیت سے چین گیا تو وہاں اسے ایک خفیہ سوسائٹی میں بھی شرکت کا موقع ملا۔ اس کے دلچسپ حالات اس نے اس طرح قلمبند کئے ہیں۔

"چین میں خفیہ سوسائٹیاں بہت پائی جاتی ہیں اور اگر وہاں کی بڑی آبادی اور اس کے اُن مصائب کو سامنے رکھا جائے، جو سیلابوں، وباؤں خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں کی وجہ سے وہاں نازل ہوتے رہتے ہیں تو حیرت نہ کرنا چاہیئے کہ وہاں اس قسم کی سوسائٹیاں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

چند سال اُس طرف جب میں چین میں رہتا تھا تو مجھے وہاں کی ایک خفیہ سوسائٹی کے ممبر بننے کی بھی عزت حاصل ہوئی تھی۔ یہ سوسائٹی چین کے نوجوانوں کی تھی جن کا مقصد یہ تھا کہ ملک کو جاپانی خطرہ اور سوویٹ اثرات سے محفوظ رکھا جائے۔

میں بالکل پہلا یورپین تھا جسے یہاں کی کسی خفیہ سوسائٹی میں جگہ ملی ہو، اس کا سبب یہ نہ تھا کہ میں چین کی قومی فوج میں ایک معلم کی حیثیت رکھتا تھا بلکہ صرف یہ کہ مجھے واقعی چین کے مقاصد سے بہت دلچسپی تھی اور میں نہایت ہمدردی سے ان کی اس تحریک میں شریک ہوتا تھا۔

میں نے بود و باش اور وضع و معاشرت بھی بالکل چینیوں کی سی اختیار کر لی تھی اور میں وہاں کے یورپین عنصر سے بالکل الگ تھلگ رہتا تھا۔ میں نے چینی زبان بھی بقدر ضرورت سیکھ لی تھی اور یہی وہ تمام باتیں تھیں جو مجھے یہاں کی ایک خفیہ سوسائٹی تک پہونچانے میں کامیاب ہوئیں۔

میری ممبری کی سفارش حسب قاعدہ پہلے دو چینی ممبروں نے کی اور ابتدائی مراحل کی معلومات میں نے انھیں سے حاصل کیں۔ میں نے انکی ہدایت کے مطابق تمام ان سوالوں کے جواب یاد کر لئے جو مجھ سے پوچھے جانے والے تھے اور سوسائٹی کے بعض نشانات و اشارات اور مراسم وغیرہ بھی ذہن نشین کر لئے

ایک شام وہی دو ممبر میرے پاس آئے اور رسم داخلہ پوری کرنے کے لئے مجھے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ میں نے سوچا کہ رپوالور لیجانا زیادہ مناسب ہوگا لیکن بعد کو میں نے یہ خیال دور کر دیا اور اچھا ہی ہوا کہ میں نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ میری تلاشی کے وقت بعد کو یہ راز کھل جاتا۔

ایک پرانا بوسیدہ مکان اس رسم کے لئے تجویز کیا گیا تھا۔ اس کے ایک کمرے میں جو بالکل خالی تھا مجھے لے گئے۔ یہاں مجھے اپنے سارے کپڑے اُتار کر ایک سفید عبا پہننا پڑی اور جوتے اُتار کر چپل!

اس کے بعد میں خاص کمرے کے دروازہ پر گیا جہاں ایک دربان کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے بہت سے سوال کئے اور میں نے جو جوابات دئے ان کا خلاصہ یہ تھا کہ — "میں بڑے دور دراز ملک سے آیا ہوں" — "میں نے خشکی اور سمندر پر جاترا کے لئے بڑا سفر کیا ہے" — اور — "اب میں روشنی، صداقت اور انصاف کی جستجو میں یہاں آیا ہوں"

اس کے بعد ایک ایسے کمرے میں پہونچا جہاں صرف چٹائی بچھی ہوئی تھی اور ایک انگیٹھی روشن تھی۔ مجھ سے کہا گیا کہ چٹائی پر بیٹھ جاؤں۔ اسکے بعد مجھ سے بہت سے سوال کئے گئے اور پھر مجھ سے گردن جھکانے کے لئے کہا گیا۔ جب میں نے گردن جھکا لی، تو میری گدی سے بالوں کی ایک لٹ کاٹ لی گئی۔ مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ یہ رسم ادا کی جائے گی اس لئے جس وقت میری گدی پر قینچی پہونچی تو میں بہت مطمئن تھا۔ میں نے ایک طالب علم کی طرح تمام سوالوں کے جواب کاغذ کے ایک ٹکڑے پر پنسل سے لکھ لئے تھے اور ہر سوال پر کنکھیوں سے اس کاغذ کو دیکھتا جاتا تھا تاکہ کوئی غلطی نہ ہو جائے۔

جب بالوں کی لٹ کاٹی جا چکی تو میں اُٹھ کر اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا اس کے بعد انگیٹھی میں کوئی سفوف ڈالا گیا جس سے

دُھواں اُٹھنے لگا اور مجھ سے کہا گیا کہ انگیٹھی کو پھاند کر دوسری طرف چلا جاؤں - اس سے مقصود یہ تھا کہ میں مصائب کے بادلوں سے بچا رہوں !

اس کے بعد میں مرکزی دروازہ پر پہونچا - یہاں بھی ایک دربان موجود تھا جو ہاتھ میں سُرخ عصا لئے ہوئے تھا - میں نے عصا پکڑ کر اس سے پانچ سوال کئے (جو مجھے بتا دئے گئے تھے) پھر خود اس نے مجھ سے بعض سوالات کئے، میں نے جواب دینے کے بعد ایک چینی سکہ اس کے ہاتھ میں رکھا اور اندر داخل ہوا - یہ کمرا بڑا تھا جس میں روشنی کافی تھی اور بیچ میں ایک بڑی قندیل لٹک رہی تھی -

کمرے کے درمیان ایک بڑا ظرف لکڑی کا تھا جو چاولوں سے بھرا ہوا تھا، اسی کے پاس ایک تیغہ ایک بیضاوی آئینہ اور ایک سفید ریشم کا پنکھا رکھا ہوا تھا اور چاروں طرف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر سفید عبائیں پہنے ہوئے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے - اس مجمع کا صدر ایک بڈھا چینی تھا جسکے داڑھی بھی تھی اور جو عینک لگائے ہوئے تھا - میں نے پوچھا تو مجھ سے تقریباً ۳۰ سوالات کئے گئے جن میں سے بعض کا جواب مجھے کھڑے ہو کر اور بعض کا بیٹھ کر دینا پڑا - انھیں سوالوں میں ایک سوال میری جنسیت کے متعلق بھی تھا - اس سے مقصود یہ معلوم کرنا تھا کہ میں عورت یا مخنث تو نہیں ہوں کیونکہ ان کو ممبر نہیں بنایا جا سکتا - اس کے بعد آئینہ، تیغہ اور پنکھا میرے سامنے پیش کئے گئے، میں نے پہلے آئینہ میں اپنا منھ دیکھا، پھر تیغہ ہاتھ میں لیا اور اس کے بعد پنکھے سے مُنھ پر ہوا دینے لگا - اسی کے ساتھ مجھے کچھ منتر بھی پڑھنا پڑے -

اس کے بعد میرے ہاتھ کے داہنے انگوٹھے سے خون نکال کر پیالے میں جمع کرنے کی رسم ادا کی گئی، جو بالکل فرضی تھی، یعنی انگوٹھے سے خون تو نہیں نکالا گیا لیکن رسم اسی طرح کی ادا کی گئی - اس کے بعد مجھ سے وفاداری کا حلف لیا گیا اور یہ عہد کہ مشرق و مغرب میں جہاں کہیں چین کا دشمن پایا جائے گا میں اس سے لڑوں گا - میرا ایک نام بھی مقرر کیا گیا اور تین پھل مجھے دئے گئے، ان میں سے ایک شفتالو اور دوسرا بادام تھا یہ دونوں میں نے کھا لئے اور تیسرے پھل کو جس کا نام مجھے معلوم نہیں واپس کر دیا (از روے رسم مجھے یہی کرنا چاہئے تھا) - اس کے بعد مجھے تین نشانیاں بتائی گئیں تاکہ میں سوسائٹی کے ممبروں کو ہر جگہ پہچان سکوں - ایک نشانی کھانے کے وقت کی تھی، دوسری راستہ میں چلتے پھرتے معلوم کرنے کی اور تیسری تحریر میں استعمال کرنے کی - یہ رسمیں شام کے نو بجے سے رات کے دو بجے تک جاری رہیں اور چلتے وقت مجھے ممبری کا ایک بلّا دیا گیا تھا جو چین کا ایک قدیم سکہ تھا -

نگار کے خاص نمبر

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

نگار بک ایجنسی لکھنؤ

جنوری سنہ ۳۱ء

انسان کی تحریر اور دستخط سے سیرت کا مطالعہ اگر آپ کرنا چاہتے ہیں تو نگار کے اس خاص نمبر کو پڑھئے، اس میں تحریروں اور دستخطوں کے بہت سے نمونے دیکر علمی طور سے اس فن پر بحث کی گئی ہے -

قیمت ایک روپیہ
علاوہ محصول

جنوری سنہ ۳۹ء

(مصحفی نمبر) اس کے بعض عنوانات یہ ہیں :-

حیات مصحفی - اُردو غزلگوئی میں مصحفی کا مرتبہ - مصحفی کی غیر مطبوعہ مثنویاں - انتخاب کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ -

صفحات ۱۶۴

قیمت ایک روپیہ (عہ)
علاوہ محصول

جنوری سنہ ۴۰ء

(نظیر نمبر) اس کے بعض عنوانات یہ ہیں :-

نظیر کا مسلک - شاعری پر تبصرہ - نظیر اور عوام - انتخاب کلام مطبوعہ و غیر مطبوعہ -

صفحات ۱۶۸

قیمت ایک روپیہ (عہ)
علاوہ محصول

جنوری سنہ ۴۱ء

یہ نمبر دنیائے تذکرہ میں بالکل پہلی چیز ہے یعنی اسوقت کے تمام مشہور غزلگو شعراء نے خود اپنے حالات لکھے ہیں اور خود اپنے کلام کا انتخاب کیا ہے اسی کے ساتھ ایک مقالہ غزل گوئی پر بھی ہے جو دیکھنے کے قابل ہے -

قیمت دو روپیہ (عہ)
علاوہ محصول

جنوری سنہ ۴۲ء

اس نمبر میں ملک کے پانچ مشہور نقادوں نے اُن شاعروں کے کلام پر تبصرہ کیا ہے جنکی غزلوں کا انتخاب جنوری سنہ ۴۱ء میں شایع ہوا تھا، یہ نمبر گویا تتمہ ہے جنوری سنہ ۴۱ء کا اور اس کے ساتھ ہی اسکا مطالعہ بھی ضروری ہے - ان دونوں نمبروں سے ملکر ایک ایسا تذکرہ مرتب ہو جاتا ہے جو اس وقت تک پیش نہیں کیا جا سکا - قیمت ایکر روپیہ
علاوہ محصول

مکتوبات نیاز

حضت ، کہئے آپ کے "گیسو دراز" آج کل کہاں ہیں ؟ خصوصیت کے ساتھ اُن کے یاد آجانے کا سبب یہ ہے کہ آج کل انھیں کے ٹکر کے ایک صاحب میرے مکان کے قریب مقیم ہیں - سر سے پاؤں تک بالکل عطر و رنگ — خوش گِل بھی ہیں اور خوش گلو بھی - وہ تو کسی کو دھوکا دینا نہیں چاہتے، لیکن ان کی وضع و صورت کو دیکھ کر خود کوئی دھوکہ میں آجائے تو وہ کچھ کہتے بھی نہیں - بہت تجربہ کار شخص ہیں !

مجھ سے کبھی کبھی ملتے ہیں، لیکن بالکل "دامن کشاں" انداز سے، حالانکہ میں گاہ گاہ اُن کی "کُھل کھیلنے والی" صحبتوں میں بھی شریک ہونا چاہتا ہوں

اگر وہ یہاں ہوتے تو شاید میں اس میں آسانی سے کامیاب ہوجاتا، اس لئے پوچھتا ہوں کہ کہاں ہیں - پتہ معلوم ہو تو لکھئے، انھیں چند دن کے لئے پکڑ لاؤں

چھوڑئے اس قصہ کو، آپ بھی کیا باتیں کرتے ہیں،

غالب خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں

آپ کی محبت کا ہمیشہ سے زیر بار ہوں، کیوں آپ بار بار مجھے کانٹوں میں گھسیٹتے ہیں - میں اپنی ہستی سے زیادہ واقف ہوں اور انتہائی عالم کیف و سرشاری میں بھی اپنی جگہ "پائیں" کے علاوہ کہیں نہیں پاتا - جو حضرات اپنے آپ کو مسند نشین سمجھتے ہیں ان کو دعوائے صدارت مُبارک، لیکن میں بھی اس کی تصدیق کروں، یہ محال ہے، کیونکہ میں تو انھیں پائیں سے بھی کچھ نیچے، اپنے سے بھی کچھ فروتر پاتا ہوں

آپ کو نہیں معلوم کہ ان "خانوادگانِ علم و مذہب" میں کس کبر و ریا کی تعلیم دیجاتی ہے - اور کیسا کیسا "زبردست عزازیل" وہاں سانس لے رہا ہے - انھوں نے انسانی آبادی کو گھٹا کر صرف اپنی چار دیواری میں محدود سمجھ رکھا ہے اور خدا کو اس سے بھی زیادہ مختصر کرکے اپنے جیب و آستین میں لئے پھرتے ہیں

ان کے یہاں "خلیفۃ اللہ فی الارض" وہ نہیں ہے جو نوامیس قدرت کی جستجو کرکے خدا کو پہچانتا ہے، بلکہ وہ خدا کو خدا

سمجھتا ہے، صرف اس لئے کہ اس نے مُرغ و ماہی کو پیدا کیا اور انسان کو ان کے کھانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس نے جنت بنائی اور جنّت کی خوبصورت حوروں پر انھیں تصرف کی اجازت دی !

آپ کہیں گے مذہب تنہا اسی کا نام تو نہیں، میں کہوں گا مذہب میں اس کا ذکر ہی کیوں ہے، آپ فرمائیں گے اس میں حرج بھی کیا ہے، میں عرض کروں گا، کہ پھر دُنیا میں کیوں اس کی آزادی نہیں۔ وہی انسان، وہی اس کے جذبات لیکن یہاں مجبور، وہاں مختار۔ کیوں ؟ —— شاید اس لئے کہ یہاں سوشل نظام کے لئے جبر و منع کی ضرورت ہے —— تو کیا وہاں کا نظام سوائے اس "آویزش" کے اور کچھ نہ ہوگا —— معاذ اللہ ! انسان کو چھوڑئے، کیا خدا کی توہین اس سے زیادہ کچھ اور ہو سکتی ہے ؟ لیکن کیا کیجئے

بیداد تواں دید و ستمگر نتواں گفت !

جی ہاں، اب اچھا ہوں لیکن زندگی بدمزگی سے بسر ہو رہی ہے، اس لئے نہیں کہ اب "جھسکی" نہیں ملتی (بقولِ شجاعت) بلکہ صرف اس لئے کہ شاید میں اُن انقلابات کو نہ دیکھ سکوں گا جنھیں دیکھنا چاہتا ہوں !

آپ کے عتاب نامہ کا جواب صرف یہ سوال ہونا چاہئے تھا کہ

در کشتنِ من اینہمہ بیباک چرائی ؟

لیکن جانتا ہوں کہ جب "ناز و غمزہ" کا مفہوم صرف "دشنہ و خنجر" رہ جائے تو پھر سوائے شہید ہو جانے کے چارہ بھی کیا ہے !

منم کہ بر دل و دینِ خود اعتمادم ہست
بہ نیم غمزہ، ہم ایں را رُبائے و ہم آں را

میں نے بہت کوشش کی کہ اپنے آپ کو "مجروح راوی" سمجھ کر، آپ کو اپنے یقین سے شرمندہ نہ ہونے دوں، لیکن اس کا کیا علاج کہ "نقل و روایت" سے دور اس مسئلہ میں، اپنی رائے مجھے "نص قطعی" معلوم ہوتی ہے

در خود نمی شناسم جز دوستی گناہے !

تاہم یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ آپ محبت کو "ورزشِ ایمان بالغیب" کیوں نہ قرار دیں۔ اس صورت میں میں کیا جبرئیل کو بھی جھوٹا کہا جا سکتا ہے

باور کیجئے میرا مقصود یہ نہ تھا کہ خواہ مخواہ آپ کے دل میں کوئی ناروا خلش پیدا کر دوں، اور یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اتنی پختگی کے بعد بھی آپ میں اس قدر خامکاری باقی رہ گئی، لیکن اگر میری تحریر سے آپ کو واقعی کوئی صدمہ پہونچا ہے تو مجھے اس کا سخت افسوس ہے، معذرت چاہتا ہوں !

آپ ازراہ شکایت پوچھتی ہیں کہ وہ قاعدۂ مہر و محبت کیا ہوا - اس کا جواب یہ ہے کہ

رسمے کہنے بود ، بہ عہدِ تو بر افتاد !

بولئے، کچھ اور فرمایئے گا ؟

حیران ہوں کہ یونہی مہینوں خاموش رہنا، لیکن جب اس "گناہِ سکوت" کا احساس ہو تو اس کی تلافی میں دوسرے کو اس طرح الزام دینا گویا آپ نگاہ سے بھی کبھی دور نہ ہوئی تھیں ! " اللہ، اللہ، چہ جمال ست بدیں بوالعجبی ! "

یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ آپ یہی سننا چاہتی ہیں، آپ انھیں باتوں سے خوش ہوتی ہیں - آپ کی بڑی مسرت اسی میں ہے کہ آپ کی بے نیازی کو محسوس بھی کیا جائے اور اس کا ذکر بھی ہو، لیجئے، یہ فرض بھی ادا ہو گیا - اب کیا ارادہ ہے ، وہی سکوت ! وہی متبسم روگردانی ! اور وہی

ناز بر خویش و خود نمائیِ خویش !

کیا مہمل باتیں ہیں - پیر کنعاں کی طرح، پیراہن پرستی چھوڑئے - یوسف یوں نہیں ملتا - اب ان کتابوں میں کیا رکھا ہے - انھیں دیمک اور خاک کے لئے وقف کیجئے اور آفتاب کی روشنی میں آفتاب کا مطالعہ کیجئے

کتنی مدت کے بعد تو دنیا کی آنکھ کھلی ہے اور آپ پھر اس پر اندھیری چڑھانا چاہتے ہیں - وہ زمانہ جب زمین چپٹی تھی اور آسمان اس کے چاروں طرف گھومتا تھا، ختم ہو چکا ہے - اب زمین گول ہے اور آپ بھی اس کے ساتھ ہر وقت گردش میں مصروف ہیں - کب تک جامد بنے رہئے گا

میں ایک بات کہتا ہوں اس زمانہ کی اور آپ اس کی سند ڈھونڈھتے ہیں اب سے تیرہ سو برس پہلے کی کتابوں میں - کوئی سنے گا تو کیا کہے گا - اگر آپ سمجھتے ہیں کہ یہ زمانہ آپ لوگوں کے زندہ رہنے کا نہیں ہے تو مر جایئے، لیکن خدارا نئی زندگی پانے والی نسل کی راہ میں موانع حایل نہ کیجئے !

عشق اگر مرد ست مردے تاب دیدار آورد

ورنہ چوں موسیٰ بسے آورد و بسیار آورد !

قبلہ ! خط پہونچا ، آپ اپنے آپ کو ذرۂ بیمقدار کہتے ہیں، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو پھر

مہر جہانتاب کیست !

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس نوع کا انکسار سخت گناہ ہے - آپ کے اکتسابات سے اگر قوم استفادہ نہ کر سکی، تو کیا اسے قوم کی بدنصیبی نہ کہیں گے - آپ کو پس و پیش غالباً صرف اس لئے ہے کہ اہلِ مذہب آپ پر طعن کریں گے،

لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا اور ان کا طعن کیا ؟ یہ خود بھی جانتے ہیں کہ ان کے ہتھیار کتنے کند ہیں اور — پھر — اسی لئے تو میں آپ کو میدان میں بلاتا ہوں کہ آپ انھیں میں سے ہیں اور آپ ہی کی شہادت اُن کے خلاف زیادہ کارگر ہوگی۔ مشکل سے اس گروہ میں آپ ہی تو ایک صاحبدل ملے ہیں، آپ ہی دل چُرائیں گے تو کام کیونکر چلے گا۔ آپ اُٹھئے تو سہی، اس رسوائی میں بھی خاص لطف ہے !

محترمہ - مجید صاحب سے معلوم ہوا کہ آپ علیل ہیں۔ علالت کی تفصیل تو وہ بتا نہ سکے، تاہم اتنا پتہ ضرور چلا کہ اس کا تعلق "دل" سے ہے

چونکہ میں عورت کے دل (اور خصوصیت کے ساتھ "برہم دل") سے بہت گھبراتا ہوں، اس لئے زحمت نہ ہو تو مطلع فرمائیے کہ خدانخواستہ اختلاجی کیفیت تو نہیں ہے۔ جب میں علیل تھا تو آپ نے میرا حال پوچھا اور میں اچھا ہو گیا اب آپ علیل ہیں اور میں پوچھ رہا ہوں لیکن نتیجہ کی طرف سے غیر مطمئن !

خدا کرے آپ اپنے جواب سے میرے اس تذبذب کو دور سکیں۔ علیگڈھ کی آب و ہوا اگر لکھنؤ سے بہتر نہ ہوتی تو میں مشورہ دیتا کہ یہاں چلی آئیے، تاہم مقام کی تبدیلی کا اثر صحت پر ضرور پڑتا ہے۔ لکھنؤ نہ سہی، کہیں اور سہی، جواب کا منتظر ہوں

دی مغل لائن لمیٹیڈ

مسلمانوں کی قائم کی ہوئی واحد جہازران کمپنی

تھوڑے تھوڑے وقفہ سے بمبئی اور کراچی سے عدن اور پورٹ سوڈان، جدّہ اور سویز تک جہازوں کی روانگی کا معقول انتظام

سفری اور باربرداری کے جہازات بمبئی اور کراچی سے عدن۔ پورٹ سوڈان جدّہ اور سویز تک
مُسافر اور مال و اسباب لیجاتے ہیں، نیز بمبئی اور کراچی سے پورٹ لوئی اور ماریشس تک سفر کرتے ہیں

تمام سروسیں اور تاریخیں بغیر کسی پیشگی اطلاع کے منسوخ کیجا سکتی ہیں

مزید تفصیلات کے لئے لکھئے :- ٹرنر مارلیسن - اسنڈ کمپنی لمیٹیڈ ۱۶ بنک اسٹریٹ - بمبئی

پاتال پانی

مہر کی برہم مزاجی سے فضا سہمی ہوئی
جا بجا خودرو درختوں میں مواٹھٹھکی ہوئی

حبس کی شدت سے خوں کھولا ہوا خاشاک کا
دُودِ نادیدہ سے دم گھٹتا ہوا ادراک کا

گردنیں ڈالے ہوئے جامن کی ننھی ڈالیاں
سربہ سجدہ دھوپ کے قدموں پہ خودرو جھاڑیاں

جھاڑیوں کی جڑ میں گہرے سائے یوں سمٹے ہوئے
جیسے بچے سینۂ مادر سے ہوں چمٹے ہوئے

آگ اُگلتے پتھروں کے سامنے دوزخ بھی ماند
سانس کی دشمن پہاڑی گھاس کی کڑوی بساند

دل پہ دہشت کا تسلط ہوش پر تولے ہوئے
گہری گہری کھائیوں میں موت منھ کھولے ہوئے

دوستوں کے ساتھ میں بھی راہ طے کرتا ہوا
چل رہا تھا اپنے دل سے مشورے کرتا ہوا

گدگداتا تھا خیالِ قربِ منزل پے بہ پے
اُٹھ رہی تھی دل کے گوشہ سے اک مدھم سی لے

کرتا جاتا تھا دلِ پرشوق سے کیا کیا سوال
چُپکے چپکے جلوۂ پاتال پانی کا خیال،

یوں تھی مجھ کو اپنے خاکی باغِ رضواں کی تلاش
چشمِ اسکندر کو جیسے آبِ حیواں کی تلاش

پے بہ پے چومی نگاہوں نے جبینِ آبشار
روح پر پڑنے لگی کیف و مسرت کی پھوار،

سرمدی نغمے مئے آسودگی میں گھل گئے
روح پر فردوس کے گویا دریچے کھل گئے،

یوں نگاہ و دل پہ اک خود رفتگی سی چھا گئی
بے بصر آنکھوں میں گویا روشنی سی چھا گئی

حلقۂ کہسار میں موجوں کی وہ رامشگری
جس طرح بھوتوں کی آبادی میں آنکلے پری

ڈوبتا جاتا تھا گر کر کنڈ میں یوں آبشار
کھنچ رہا ہو دروپدی کا جیسے آنچل بے کنار

عالمِ فانی میں آوارہ بہشتی جوئے شیر
یا شبِ تاریک کے سینے پہ نورانی لکیر،

اک حسیں چشمہ چٹانوں کے کنارے چومتا
ناچتا گاتا تھرکتا گنگناتا گھومتا،

حُسن والوں کو پیامِ ذوقِ رم دیتا ہوا
بہہ رہا تھا پتھروں کے دل کو نم دیتا ہوا

اُگ رہے تھے یوں چٹانوں کے شگافوں سے درخت
اتفاقاً جاگ اُٹھیں جیسے سیہ بختوں کے تخت،

میں یہ کہتا یہ دلِ صحرا کی تصویریں نہ ہوں
دشت کے سنسان خوابوں کی تعبیریں نہ ہوں

آہ کیا کہیے مناظر کی ہمہ رنگی کا حال،
روبرو تھا ہر طرف فطرت کا بے پردہ جمال،

تھیں نمایاں حسنِ رنگا رنگ کی رعنائیاں
یا تھیں رقصاں میرے احساسات کی پرچھائیاں

اے مرے اللہ میں بے ہوش تھا یا ہوش میں
نزہتوں کی پرورش اور کوہ کی آغوش میں!

ادیب سہارنپوری

لہ الوے کا ایک دلکش آبشار۔

باب الاستفسار

اسلام اور قانون وراثت

(م - صاحبہ - بھوپال)

معظمی مکرمی، آداب -

ازراہ نوازش میرے اس سوال کا جواب نگار میں مرحمت فرماکر مشکور فرمایئے - مجھ کو ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے شاید یہ سوال نہ کرنا چاہئے لیکن تسکین قلب کے لئے کر رہی ہوں اکثر اصحاب سے معلوم کرنے کی کوشش کی مگر "مداخلت فی الدین" کہکر خاموش کر دیا گیا معلوم نہیں یہ چیز کس حد تک مداخلت فی الدین ہے امید ہے آپ یہ کہکر مجھ کو خاموش نہ کریں گے دوسرے یہ بھی نہ فرمائیں گے کہ کسی عالم سے دریافت کرو کیونکہ علماء کا سمجھانا میری سمجھ سے بالاتر ہوگا آپ کا جواب میرے لئے انتہائی ممنونیت کا باعث ہوگا -

(۱) زید اگر اپنے والدین کی حیات میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کے بچوں و نیز بیوہ کو ترکہ پدری سے کوئی حصہ نہیں دیا جاتا بلکہ محروم قرار دئے جاتے ہیں زید کے والدین پر یا بھائیوں پر شاید شرعاً ان کی پرورش کی کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی -

(۲) دوسرا رخ یہ کہ زید اپنی قوت بازو سے کماتا ہے اور والدین کی حیات میں فوت ہو جاتا ہے لیکن خود صاحب اولاد رہنے کی حالت میں بھی اسکے باپ (بکر) کو اسی دولت سے حصہ ملتا ہے یہ ٹھیک نہیں بتا سکتی کہ کس قدر پہونچتا ہے -

(۳) تیسرا رخ یہ کہ زید اگر اولاد ذکور نہیں چھوڑتا بلکہ ۲ - ۴ لڑکیاں ہوتی ہیں تو زید کے ترکہ پدری سے اور خود کی دولت سے زید کے بھائیوں کو حصہ حصہ کی صورت میں ملتا ہے جو شاید روپیہ میں چار آنہ کے حساب سے ہوتا ہے لیکن پرورش کی کوئی ذمہ داری عاید نہیں ہے -

اسلام میں ہر مسئلہ آیات قرآنی سے لیا گیا ہے تو بتایئے کہ یہ مسئلہ قرآن کریم کی کن آیات سے لیا گیا ہے اور جناب رسول خدا کے زمانہ کی کوئی ایسی مثال ہے -

قرآن کریم میں جا بجا یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کی سخت تاکید ہے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا سخت مسئلہ کس مصلحت کی بنا پر ہے -

---

(نگار) آپ کے استفسار کے کئی پہلو ہیں، ایک یہ کہ جو صورتیں آپ نے پیش کی ہیں ان میں اُصول وراثت کی رو سے کس کو کتنا ملنا چاہئے دوسرے یہ کہ آیا یہ اُصول وراثت درست بھی ہے یا نہیں، تیسرے یہ کہ قرآن کی کن آیات سے یہ اُصول مرتب کئے گئے ہیں اور چوتھے یہ کہ اگر ان اُصول سے یتیموں کے حقوق پر خراب اثر پڑتا ہے، تو کیوں انھیں قابل قبول سمجھا جائے -

عہد رسالت سے قبل، عرب میں کوئی قانون وراثت نہ پایا جاتا تھا - وہاں تو استحقاق نام تھا صرف نیزہ و شمشیر کا اور اسی لئے ایک بہادر باپ کے بہادر بیٹے کے علاوہ ترکہ کا کوئی مستحق نہ سمجھا جاتا تھا اور اس طرح چھوٹے بچے اور عورتیں قطعاً محروم رہتی تھیں -

چونکہ بانی اسلام معاشرت کی اصلاح کے سلسلہ میں عورت کی پوزیشن کو بھی بلند کرنا چاہتے تھے، اس لئے انھوں نے ضروری سمجھا کہ وراثت میں عورت کو بھی نمایاں جگہ دیجائے اور یہ حد درجہ ضروری، برمحل و مفید اقدام تھا -

اگر آپ سورۂ نساء کی اُن آیات کا مطالعہ کریں گی جن میں اُصول وراثت کو ظاہر کیا گیا ہے تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ ترکہ کی کوئی صورت ایسی نہیں ہے

جس میں عورت کو استفادہ کا حق نہ دیا گیا ہو۔ البتہ آپ یہ اعتراض کر سکتی ہیں کہ اولاد نرینہ کو بہ نسبت لڑکیوں کے کیوں زیادہ حصہ ملتا ہے، لیکن یہ اعتراض صحیح نہ ہوگا کیونکہ لڑکیوں کا حق شوہروں کے ترکہ میں بھی ہوتا ہے اور اس طرح یہ کمی پوری ہو جاتی ہے۔

ہر چند میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو قانون اب سے تیرہ سو سال پہلے، عربوں کی معاشرت و زندگی کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا تھا، وہ اس وقت بھی ہر ملک کے مسلمانوں کے لئے مفید و کار آمد ہو سکتا ہے، کیونکہ قانون کو ہمیشہ وقت و ماحول کے لحاظ سے بدلنا چاہئے اور اس میں اتنی لچک پائی جانا ضروری ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ جس زمانہ میں وراثت کا یہ قانون پیش کیا گیا تھا اُس وقت کے لئے یہ نہایت موزوں قانون تھا اور اگر ہم آیات قرآنی سے مستنبط ہونے والے اس اُصول کو سامنے رکھیں کہ مسئلۂ وراثت میں عورت کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس باب میں قرآن کا فیصلہ اُصول کے لحاظ سے ایسا فیصلہ ہے جس میں اب کسی تغیر کی گنجائش نہیں۔

ظاہر ہے کہ قرآن کی چند آیات میں وراثت کی تمام ممکن صورتیں پیش نہ کی جا سکتی تھیں، اس لئے بعد کو روایات و اجتہاد سے بھی کام لیا گیا، یہانتک کہ رفتہ رفتہ یہ ایک مستقل علم ہو گیا۔ اب میں آپ کی ظاہر کی ہوئی صورتوں کو سامنے رکھ کر اپنی رائے پیش کرتا ہوں :-

۱- آپ کا پہلا استفسار واضح نہیں ہے۔ آپ فرماتی ہیں کہ "زید اگر اپنے والدین کی حیات میں فوت ہو جاتا ہے تو اس کے بچوں و نیز بیوہ کو ترکۂ پدری میں کچھ نہیں ملتا" ترکۂ پدری سے آپ کی کیا مراد ہے۔ اگر اس سے مراد فوت ہونے والے کا ترکہ ہے تو اسکا ایک حصہ یقیناً اس کی اولاد کو بھی ملے گا لیکن اگر ترکۂ پدری سے زید کے باپ کا ترکہ ہے تو بیشک اس کی اولاد محجوب الارث سمجھی جائے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اُصول صرف اس لئے مقرر کیا گیا تھا کہ joint-family system کو دور کیا جائے، اور ہر شخص میں خود اپنی قوت بازو سے کمانے اور اپنی اولاد کی پرورش کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اگر ایک شخص بیوی اور اولاد رکھنے کے باوجود اپنے باپ کی جایداد پر بھروسہ رکھتا ہے تو یہ اس کی غلطی ہے اور باپ کی ملکیت سے اس کی اولاد کو محروم رکھنے کی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ یہ غلط اعتماد لوگوں کے دلوں سے دور کیا جائے۔

رہا مرنے والے کے یتیم بچوں کی پرورش کا سوال سو اس کا تعلق ترکہ سے نہیں بلکہ یتامیٰ کی پرورش سے ہے اور اس فرض کو قوم پورا کرے گی۔

۲- اگر زید کی وفات کے بعد اس کی جایداد کا کچھ حصہ اس کے باپ کو بھی ملتا ہے تو ملنا چاہئے، کیونکہ اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت پر جو کچھ اسکے باپ نے صرف کیا ہے اس کا معاوضہ کچھ تو ہونا چاہئے۔

۳- آپ کا تیسرا استفسار بہت مبہم ہے۔ تاہم اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ ایک بھائی کے ترکہ میں دوسرے بھائی کا شریک ہونا آپ کے نزدیک قابل اعتراض ہے۔ لیکن آپ نے غور نہیں کیا کہ اس میں فایدہ سبھی کا ہے۔ فرض کیجئے اگر زید کی جگہ اس کا دوسرا بھائی مرتا تو کیا زید اور اس کی اولاد یہ فایدہ نہ اُٹھاتی۔

آپ کے ان استفسارات سے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ کوئی خاص صورت آپ کے سامنے ہے اور چونکہ اس میں کچھ حق تلفیاں ہو رہی ہیں اس لئے آپ سرے سے اُصول وراثت ہی کو قابل اعتراض سمجھتی ہیں، حالانکہ اعزہ میں باہمی ہمدردی و تعاون کا مسئلہ اس سے بالکل علٰحدہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو قانون وراثت و ترکہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور اگر کوئی شخص فطرتاً ایسا ہے جو اپنے خاندان کی بیواؤں اور یتیموں سے ہمدردی نہیں رکھتا تو اس کی یہ دانش کے لئے قانون وراثت تو بدلا نہیں جا سکتا، البتہ سوسائٹی اس کو سزا دے سکتی ہے۔

یاد رکھئے کہ انفرادی غلطیوں و ناحق کوشیوں کو آج تک نہ کوئی مذہب دور کر سکا نہ کوئی قانون، اس لئے دُنیا کی یہ سوگواریاں یونہی رہیں گی اور انھیں پر شاید کارزار حیات کی رونق موقوف ہے۔

تذکرۂ معرکۂ سخن

اپنے رنگ کا بالکل مجمل تذکرہ جس میں بتایا گیا ہے کہ بڑے بڑے اساتذہ کے کلام پر کیا کیا اعتراض کئے اور یہ کہ ان کا کوئی جواب ہو سکتا ہے یا نہیں، یہ تذکرہ انتہائی کاوش کے بعد مرتب کرایا گیا ہے اور فن شعر کے متعلق بے بہا معلومات کا ذخیرہ ہے۔ قیمت علاوہ محصول دو روپیہ آٹھ آنے (۲/۸)

مینجر نگار

جنونِ محبت

امین درد ہوں، مجھ کو نہ آزماؤ تم

یہ آسماں - یہ کہر - یہ نکھار - یہ جنگل،
یہ چاندنی - یہ لطافت - یہ نقرئی بادل
یہ سبزہ زار - یہ پھولوں کی دل نشیں جدول
یہ ہنس راج - یہ بگلے - یہ بط - یہ گنگا جل
ستا رہے ہیں مجھے ان کو اب ستاؤ تم

نشاط و رنگ میں ڈوبا ہوا گلستاں ہے
ہوا نہیں ہے یہ - مطرب کوئی غزلخواں ہے،
پہاڑیوں پہ خمِ زلفِ ماہِ تاباں ہے
یہ کہکشاں ہے کہ اک موجِ آبِ حیواں ہے
برس رہی ہے محبت چلے بھی آؤ تم،

کبھی ہواؤں کا جھونکا جو چھیڑ کرتا ہے
مزاجِ عشق پہ اک حادثہ گزرتا ہے
دلِ شکستہ مرا سسکیاں سی بھرتا ہے
یہ نامراد، نہ جیتا ہے اور نہ مرتا ہے،
حجابِ ناز میں چھپ کر نہ مسکراؤ تم

غرض، ہو صبح طرب یا ہو شامِ میخانہ
سرودِ ہوش ہو یا ہائے و ہوئے دیوانہ
چمن کا شور ہو یا ہو سکوتِ ویرانہ
نواحِ صومعہ ہو یا جوارِ بت خانہ
کہیں قرار نہیں ہے اب آ بھی جاؤ تم

ستم نصیب ہوں غم سے نباہ کر لوں گا
ہر ایک سانس کو میں اپنی آہ کر لوں گا
یہ ننگِ عشق ہے لیکن گناہ کر لوں گا
تمہارے دھیان میں سب کچھ تباہ کر لوں گا
یہ دل ہے - درد کی دنیا یہاں بساؤ تم

کاوش حیدرآبادی

تمثیل

دنیا کی بہاروں سے آنکھیں یوں پھیر لیں جانے والوں نے
جیسے کوئی لمبے قصّے کو پڑھتے پڑھتے اُکتا جائے
جب دل ہی نہ کوئی تھام سکا پھر عشق کا رونا کون سُنے
کس نے یہ کہا تھا تنکے سے وہ بجلی سے ٹکرا جائے
اک آس جو دل کی ٹوٹ گئی پھر دل کی خوشی باقی نہ رہی
جیسے کہ اندھیرے گھر کا دیا گل ہو تو اندھیرا چھا جائے
بچپن کے نرالے کھیلوں میں اس طرح جوانی آتی ہے
جیسے کہ اچانک البم کا رنگین ورق اُلٹا جائے
امید کی جانب جب انساں بڑھتا ہے تو یوں سہما سہما
جیسے کہ پہاڑی پر کوئی چڑھتا جائے ڈرتا جائے
کنگھے سے گھنیری زلفوں میں یوں لہریں اُٹھتی جاتی ہیں
جیسے کہ دھندلکا سا دن کا بڑھتا جائے بڑھتا جائے
آنکھوں کی سفیدی میں ایسے ہلکے سے گلابی ڈورے ہیں
جیسے کوئی دودھ اور مدّہ لیکر ان نینوں میں ٹپکا جائے
دل ہے کہ نشورؔ اک باجا ہے سینے کے اندر تاروں کا
جب چوٹ پڑے جھنکار اُٹھے جب ٹھیس لگے تھرّا جائے

نشور واحدی

غزل

جہاں بجلیاں گر رہی ہوں وہیں پر
نشیمن بنانے کو جی چاہتا ہے
یہ پُر پیچ راہیں! یہ منزل کی وسعت!
قدم اب بڑھانے کو جی چاہتا ہے
جہاں صرف دو دل دھڑکتے ہوں پیہم
وہ دُنیا بسانے کو جی چاہتا ہے

علی سجاد مہر

کشکول

انسان خدا انسان کوشش سے خدا بن سکے یا نہ بن سکے، لیکن اس کے پیدائشی خدا ہونے کی مثال ہمیں اس دُنیا میں ملجاتی ہیں، چنانچہ جاپان کا بادشاہ اسی قسم کا خدا ہے اور کروروں جاپانی اس کی عظمت و پرستش یہی سمجھ کر کرتے ہیں۔

جاپانی فوجیں جس وقت سنگاپور، ملایا اور فلپائن میں مصروف جنگ تھیں، اس وقت بھی وہ صبح شام دو منٹ کے لئے اپنا سر جاپان کی طرف رُخ کرکے جھکا دیتی تھیں تاکہ بادشاہ کی پرستش ناغہ نہ ہو۔

موجودہ جاپانی بادشاہ کا نام ہِرو ہُٹو (Hirohito) ہے، اس کی عمر ۴۰ سال کی ہے اور ہر وقت محل کے اندر رہتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ وہ دنیا اور اس کے حالات سے بے خبر ہے۔ اس نے یوروپ کی سیاحت کی ہے اور وہ مغربی سیاست کا بھی ماہر ہے۔

جو کچھ حکومت کی طرف سے اسے ملتا ہے، اس کے علاوہ اس کے ذاتی ذرایع آمدنی اتنے وسیع ہیں کہ شاید ہی دُنیا کا کوئی شخص اس کا مقابلہ کرسکے۔ کہا جاتا ہے کہ جاپان کے شاہی خاندان امریکہ کے بڑے بڑے دولتمند لوگوں سے زیادہ مالدار ہے۔ جاپان کا بادشاہ، ملک کے تمام جنگل کا مالک ہے اور اس کی تمام آمدنی اسی کو ملتی ہے، علاوہ اس کے اس کی ذاتی ملکیت کی قیمت کا اندازہ ساڑھے چھ کرور پونڈ کیا جاتا ہے۔ سوا کرور پونڈ کے قریب سرمایہ کاروبار میں بھی لگا ہوا ہے اور اس وقت جاپان کا کوئی بڑا کاروبار ایسا نہیں جس میں بادشاہ کا روپیہ نہ لگا ہو۔

یہ شووا (Showa) خاندان کا ایک سو چوبیسواں بادشاہ ہے۔ جاپان کے بادشاہوں کا اصلی نام مشہور نہیں ہوتا، بلکہ جو تخت نشینی کے بعد وہ خود ایک نام اختیار کرتا ہے اور اسی کے نام سے وہ مشہور ہوتا ہے۔ چنانچہ موجودہ بادشاہ بھی اپنے اصلی نام سے نہیں بلکہ شووا کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے عادات بالکل امریکن ہیں۔ یہ پہلے مغربی لباس میں رہتا تھا اور گاف بھی کھیلتا تھا، لیکن یہاں کے مدبرین نے اس کو سمجھایا کہ وہ اپنا قومی لباس ہی اختیار کرے کیونکہ دیوتاؤں کے لئے وہی مناسب ہے۔

ناشتہ میں وہ نارنگی کا عرق، قہوہ اور سُور کا گوشت جو امریکہ کا طیار کیا ہوا ہوتا ہے، استعمال کرتا ہے۔ لیکن کھانا وہی مچھلی چاول ہے جس کی طیاری اس کی ملکہ ننکا کو کے نگرانی میں ہوتی ہے۔ شاہی خاندان بہت بڑا ہے اور ولی عہد کی عمر ۹ سال کی ہے جو انگریزی بھی بول سکتا ہے۔ وہاں کا قاعدہ ہے کہ ولی عہد تین سال کی عمر ہی میں والدین سے علٰحدہ کرکے دوسرے مکان میں رکھا جاتا ہے، چنانچہ یہ بھی اپنے تمام اسٹاف کے ساتھ ٹوکیو کے ایک قصر رومیا میں ماں باپ سے علٰحدہ رہتا ہے۔

جاپان کا موجودہ بادشاہ انگریزی بھی خوب جانتا ہے اور ادبی ذوق بھی رکھتا ہے، چنانچہ اس کی نظموں کا ایک مجموعہ ہے جو چھاپا تو نہیں جاسکتا کیونکہ خدا کے الفاظ کو چھاپنا اس کی توہین ہے، لیکن لوگوں کو زبانی یاد ہے اور اس سے رجز خوانی کا کام لیا جاتا ہے۔

جب سے لڑائی شروع ہوئی ہے اس نے مغربی لباس بالکل ترک کردیا ہے، قومی لباس پہنتا ہے جو روز کے روز اُتار دیا جاتا ہے اور درباریوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ آغاز جنگ سے وہ باہر پبلک میں بھی نہیں آیا، اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ بادشاہ کے چہرہ کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتے اور اس صورت میں باہر نکلنا نہ نکلنا برابر ہے۔ جب کبھی وہ باہر نکلتا ہے تو پہلے وہاں کی پولیس تمام راستوں پر یہ انتظام کرتی ہے کہ لوگوں کی آمد و رفت روک دیجائے اور مکانوں کی کھڑکیاں تک بند کردیجائیں۔ وہاں فوجی پولیس کے ہیڈ کوارٹر کے لئے ایک بلند تعمیر تجویز ہوئی جس میں ایک بہت اونچا برج بھی بننا تھا تاکہ وہاں سے سرچ لائٹ سارے شہر پر ڈالی جاسکے۔ لیکن یہ عمارت ناتمام رہی صرف اس وجہ سے کہ اس برج سے

شاہی محلات کے اندر کا بھی نظارہ ممکن تھا۔

پانچ منٹ میں خاک سے پاک

۱۷۱۵ء کی بات ہے۔ پیٹر اعظم روس کا حکمراں ہے اور سنٹ پیٹرسبرگ کے قصر شاہی کے دروازہ پر ایک سنتری پہرا دے رہا ہے۔ دفعتاً وزیر اعظم شاہزادہ منسچکوف آتا ہے اور اندر جانا چاہتا ہے۔

سنتری عرض کرتا ہے کہ "جہاں پناہ کا حکم نہیں ہے کہ کوئی شخص اندر جائے، اس لئے میں مجبور ہوں اور آپ کے لئے دروازہ نہیں کھول سکتا"

منسچکوف: "بیوقوف، کیا تجھے نہیں معلوم کہ میں بادشاہ کا وزیر اعظم ہوں اور میرے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے"

سنتری: "میں جانتا ہوں کہ جناب وزیر اعظم ہیں، لیکن مجھے جو حکم دیا گیا ہے وہ عام ہے اور میں اس کی تعمیل کروں گا"

وزیر اعظم کو غصہ آگیا اور اس نے سنتری کے چہرہ پر کوڑا مارتے ہوئے کہا کہ "ہٹ سامنے سے"

سنتری بولا کہ "آپ جتنا چاہے ماریئے، لیکن میں نہ جانے دوں گا"

اس پر وزیر نے لگاتار اس کے چہرہ پر کوڑے مارنے شروع کئے، یہاں تک کہ خود بادشاہ دروازہ کھول کر باہر گیا۔ دیکھا کہ وزیر غصہ سے بھرا ہوا کوڑے مار رہا ہے اور سنتری کا چہرہ لہولہان ہے۔

بادشاہ نے سنتری کا نام پوچھکر حکم دیا کہ "تم کسی اور سپاہی کو چارج دیکر اپنا منہ پانی سے صاف کرو" اور وزیر کو اندر بلا کر لے گیا۔

اسی دن شام کو وہ سنتری زار کے حضور میں طلب کیا گیا جہاں وزیر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے سنتری سے کہا "آج صبح اس آدمی نے تمھیں کوڑے سے مارا ہے اس حال میں کہ تم اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے۔ اس لئے یہ کوڑا لو اور تم بھی مارو"

وزیر بولا کہ: "لیکن یہ معمولی سپاہی مجھے کیونکر مار سکتا ہے"

بادشاہ نے کہا کہ "میں اس کو کپتان کا عہدہ دیتا ہوں"

وزیر: "لیکن میں تو شاہی محافظ فوج کا بھی افسر ہوں"

بادشاہ: "اگر ایسا ہے تو میں اسے باڈی گارڈ میں کرنل کے عہدہ پر ترقی دیتا ہوں"

وزیر: "لیکن میرا عہدہ تو جنرل کا ہے"

بادشاہ: "تو میں اسے بھی جنرل بنائے دیتا ہوں، تاکہ تمھیں یہ شکایت نہ ہو کہ کسی ادنیٰ آدمی نے تمھیں مارا"

یہ کہکر بادشاہ نے سنتری سے مخاطب ہوکر کہا کہ "اے جنرل کونٹ اور نیاف، یہ کوڑا لو اور اپنا کام کرو"

اس نے تعمیل حکم کی اور دوسرے دن وہ کونٹ بنا دیا گیا اور روس کے ایک بڑے ذی اثر خاندان کا مورث اعلیٰ ثابت ہوا۔

لوہے کا دل

انسانی تعمیر میں دل و دماغ دو ہی چیزیں ایسی ہیں جو بہت زیادہ نازک سمجھی جاتی ہیں اور جن کی تکالیف کا علاج واقعی بہت مشکل ہے۔ جراحی نے اس حد تک تو ترقی کر لی ہے کہ اگر دل یا اس کی جھلی کو زخم پہونچ جائے تو ٹانکہ دیکر اسے درست کر لیتے ہیں، لیکن دل کے اندر اس کے Valves میں اگر کوئی خرابی پیدا ہو جائے تو اس کا علاج دشوار ہے، کیونکہ یہ ہر وقت حرکت کرتے رہتے ہیں اور اگر ان کی حرکت کو بند کر کے عمل جراحی کیا جائے تو انسان ختم ہو جاتا ہے۔ اس دشواری کو دیکھ کر امریکہ کے ایک ڈاکٹر نے سوچا کہ اگر کوئی مصنوعی دل ایسا بنایا جا سکے جو کچھ دیر کے لئے اصلی دل کا کام دے سکے تو جراحی کے لئے کافی وقت مل سکتا ہے۔ چنانچہ اس نے اس غرض کے لئے لوہے کا دل اور پھیپھڑا طیار کیا ہے جو بیس منٹ تک خون کے دوران کو جسم میں قایم رکھ سکتا ہے۔

اس مصنوعی دل کے لگانے سے اصلی دل تھوڑی دیر کے لئے معطل ہو جاتا ہے اور اس عرصہ میں عمل جراحی آسانی سے ہو سکتا ہے۔ ایک بیماری ہے جس میں خون کا ذرہ عروق میں کسی جگہ پھنسکر رہ جاتا ہے اور دوران خون بند ہو جانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ اس بیماری کے علاج کے لئے یہ مصنوعی دل اور پھیپھڑا بہت مفید ثابت ہوگا، کیونکہ جب اس قسم کی شکایت پیدا ہوگی تو فوراً یہ مصنوعی دل لگا کر اصلی دل کو ساکن کر دیا جائیگا اور جراحی ہو جائے گی۔

مطبوعات موصولہ

قرآن مجید و نظام شمسی

میاں محمد اسماعیل صاحب نے اس ایک جزو کے رسالہ میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ موجودہ ہیئت کا نظام شمسی، قرآن کی بعض صراحتوں سے باہر نہیں ہے — اول تو نظام شمسی ایسی بسیط بحث پر صرف ایک جزو کے رسالہ کو کافی سمجھنا، یہی بڑی غلطی ہے اور اس پر طرہ یہ کہ قرآن سے بھی اسے ثابت کیا جاتا ہے۔ اس قسم کی غلطی اکثر اُن حضرات سے صادر ہوتی ہے جو مذہب و عقل کی تطبیق میں حد سے گزر جاتے ہیں۔ اول تو قرآن کوئی ہیئت کی کتاب نہیں کہ ہم اس میں نظام شمسی کی بحث تلاش کریں اور اگر کہیں کہیں بعض مبہم اشارات اس میں پائے جاتے ہیں تو اُن کو علمی حیثیت دینا درست نہیں۔ کیونکہ ہیئت ہو یا کوئی اور علم ابھی تک تکمیل کو نہیں پہونچے اور کون کہہ سکتا ہے کہ انسان کی آیندہ کاوش و جستجو موجودہ نظریوں کے خلاف اور کیا کیا نظرئے پیش کرنے والی ہے۔ پھر کیا اُس وقت قرآن کی آیتوں کی دوبارہ توجیہ کیجائے گی — قرآن صرف اخلاق و معاشرت کی اصلاح کے لئے نازل ہوا تھا اور ہمیں اخلاقی تعلیم ہی کی جستجو کرنا چاہئے علمی بحثوں سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ رسالہ ۳۲ میں بیت الکریم چوک مزینہ باغبان پورہ لاہور سے ملسکتا ہے۔

انسان اور تورات

یہ بھی میاں محمد اسماعیل صاحب کا رسالہ ہے جس میں انھوں نے قرآن سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ تخلیق کی ابتدا ایک عورت سے ہوئی اس کے بطن سے ایک مرد پیدا ہوا اور پھر نسل انسان کا یہ سلسلہ عرصہ تک ارتقائی مدارج طے کرتا ہوا حضرت آدم تک پہونچا جن کی اولاد کو خلیفۃ اللہ فی الارض کہتے ہیں۔ گویا تورات کی اس روایت سے اختلاف کیا گیا ہے جو تخلیق آدم سے متعلق ہے اور جسے مسلم مفسرین نے بھی بیان کیا ہے۔ میاں صاحب کو اس کوشش کے سلسلہ میں قرآن کی بعض آیتوں کے ترجمے بھی کچھ اور کرنے پڑے ہیں جو کہیں کہیں نامناسب تاویل کی حد تک پہونچ گئے ہیں۔ یہ کوشش بھی مذہب و علم کی تطبیق کے سلسلہ کی چیز ہے یہ رسالہ صرف ایک آنہ میں ملسکتا ہے۔

لالہ زار

جناب محمودہ رضویہ کے بعض ادبی مقالات کا مجموعہ ہے جسے آصف جاہ درانی ایم۔اے نے مرتب کیا ہے۔ اس سے قبل ان کے پہلے مجموعہ "دُر دانہ" پر جو اظہار خیال کر چکا ہوں وہ "لالہ زار" کے مقالات پر بھی صادق آتا ہے۔ اس پر صحیح نقد تو اس وقت ہو سکتا تھا جب ان مقالات کے مطالعہ کے بعد فاضل ادیبہ کی ادبی زندگی کے اصلی سررشتہ کو ڈھونڈھا جاتا، لیکن چونکہ اس جسارت کے لئے وقت و اجازت دونوں کی ضرورت ہے، اس لئے سوائے اس کے کہ ایک شاعرہ کی غزل کی طرح اسکی داد دیکر سکوت اختیار کیا جائے اور کیا ہو سکتا ہے۔ تاہم اگر کبھی موقعہ ملا تو میں ان سے پوچھوں گا کہ یہ مقالے انھوں نے کیوں اور کس تحریک سے متاثر ہو کر لکھے اور مشورہ دوں گا کہ دوسرے اڈیشن میں وہ اس بیان کو بھی شامل کر دیں۔ قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ انجمن ترقی اُردو کراچی۔

تاریخ ادب ہندی

سید ظہیر الدین احمد علوی ام۔اے (شعبہ اُردو مسلم یونیورسٹی علیگڈھ) کی تالیف ہے۔ اس میں ہندی ادب کے مختلف دور قایم کر کے ہر دور کی تاریخ لکھی گئی ہے اور مشہور ہندی ادیبوں، شاعروں کے کلام کے نمونے بھی دئے گئے ہیں۔ اخیر میں موجودہ ہندی اداروں کا بھی حال درج کیا ہے۔

کتاب بہ لحاظ معلومات اچھی ہے اور خاصکر ان طلبہ کے لئے جو اُردو میں ام۔اے کرنا چاہتے ہیں بہت زیادہ مفید ہے کیونکہ انھیں ایک پرچہ ہندی کا بھی کرنا پڑتا ہے۔ قیمت دو روپیہ۔ ملنے کا پتہ: لالہ رام نرائن لال کتب فروش الہ آباد

چراغ لالہ

پنجاب کے ایک بہت سالہ نوجوان صائب عاصمی کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے، ابتداء میں اس نوجوان شاعر نے اپنے حالات بھی لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حد درجہ نامساعد حالات میں ان کی شاعری کی ابتدا ہوئی لیکن میں دیکھتا ہوں کہ شاید یہی نامساعدت اسکی ترقی کا باعث ہوئی — یقیناً کلام میں وہ پختگی نہیں ہے جو کافی مشق کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے، لیکن پھر بھی جو کچھ اس مجموعہ میں نظر آتا ہے وہ اتنے کمسن شاعر کی طرف سے یقیناً حیرتناک ہے — یقین ہے کہ سرزمین پنجاب اپنے اس جوہر کی قدر کرے گی اور اگر عاصمی صاحب برا نہ مانیں تو میں انھیں مشورہ دوں گا کہ وہ فنی حیثیت سے بھی اپنے اکتسابات کو جاری رکھیں۔ خیال کے حُسن کے ساتھ اگر ذریعۂ اظہار بھی بے عیب ہو تو لطف دوبالا ہو جاتا ہے۔

یہ مجموعہ ایک روپیہ آٹھ آنہ میں مصنف سے معرفت عطر چند کپور چند نیکلوڈر روڈ لاہور سے ملسکتا ہے۔

(بہ سلسلۂ صفحہ نمبر ۲) روس نے اسوقت تک جس جرأت و بہادری کے ساتھ نازی فوجوں کا مقابلہ کیا ہے، اس نے یہ بات اصولاً طے کردی ہے کہ اگر روس کو جرمنی کے خلاف کامیابی نہیں ہوسکتی تو جرمنی بھی روس کو فتح نہیں کرسکتا، اور روسی آبادی کی ہلاکت سے روسی روح فنا نہیں ہوسکتی، اور جب تک رعایا کی روح راعی کے ساتھ نہ ہو، اب کسی کی حکمرانی دنیا میں قایم نہیں رہ سکتی۔ یہ تو ہوا جنگ کا اخلاقی پہلو جو نہ صرف جرمنی بلکہ ہر اس قوم و حکومت کی مخالفت میں پیش کیا جاسکتا ہے جو جرمنی ہی کی طرح تسلط قایم رکھنا چاہے۔ اب رہا مادی پہلو سو اسکا توازن البتہ عارضی طور سے ناکامی و کامیابی پر اثر انداز ہوسکتا ہے اور وہ فی الحال بالکل مساوی نظر آتا ہے

جرمنی کا تسلط اسوقت ناروے سے لیکر یونان تک اور سواحل فرانس سے لیکر سواحل بحر کاسپین تک کم و بیش ہر جگہ نظر آتا ہے اور یہ حصۂ زمین اپنی زرعی، صناعتی اور معدنی پیداوار کے لحاظ سے اتنا بڑا اور اہم حصہ ہے کہ اگر خود جرمنی کے اندر کوئی انقلاب نہ پیدا ہو تو وہ عرصہ تک ان ذرایع کی مدد سے لڑائی جاری رکھنے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف برطانیہ و امریکہ کی طیاریوں کو دیکھئے تو ان کی وسعت و ترقی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور جو اعداد و شمار اس وقت تک معلوم ہوئے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ سال آیندہ تک وہ غالباً اس قابل ہوجائیں گے کہ نازیوں کے خلاف جارحانہ اقدام عمل میں لاسکیں، اس لئے مادی نقطۂ نظر سے بھی فی الحال اس جنگ کے اختتام کی کوئی توقع نہیں ہوسکتی۔ اب رہا اس دوران میں بعض ایسی پیچیدگیوں کا پیدا ہوجانا جو فریقین میں سے کسی ایک کو جنگ ختم کردینے پر مجبور کردیں، سو ان کا امکان البتہ ہر وقت پایا جاتا ہے اور اگر اس لڑائی کی عمر کو کسی چیز نے مختصر کیا تو وہ یہی پیچیدگیاں ہوں گی جن کا تعلق ملکوں کی داخلی و خارجی سیاست دونوں سے ہوسکتا ہے — اگر جرمنی اسٹالن گراڈ قفقاز اور بحر اسود کے تمام ساحلی مقامات فتح کرنے میں کامیاب ہوگیا جو بعید از امکان نہیں، تو ایک بڑی اُلجھن روس کی اس بحری قوت سے متعلق ہوگی جو بحر اسود میں پائی جاتی ہے ظاہر ہے کہ روس کے بحری جہاز بحر اسود میں قیام نہ کرسکیں گے اور سمندر چھوڑ کر انھیں باہر جانا پڑے گا۔ پھر چونکہ اُن کے باہر جانے کا راستہ سوائے آبنائے باسفورس اور درۂ دانیال کے کوئی اور نہیں ہوسکتا، اس لئے جرمنی، ترکی کو مجبور کرے گا کہ وہ یہ راستہ روسی جہازوں کے لئے بند کردے اور ہوسکتا ہے کہ اس وقت ترکی کو بھی کسی نہ کسی فریق کے ساتھ ہوکر میدان میں آنا پڑے — فی الحال یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ ترکی کس فریق کا ساتھ دے گا، کیونکہ اسے دونوں ہی سے ڈر ہے۔ اگر وہ جرمنی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو بلغاریا کی طرف سے جرمن فوجیں آسانی کے ساتھ اس پر حملہ کرسکتی ہیں جن کا مقابلہ اسکے لئے ممکن نہیں اور اگر وہ برطانیہ کے خلاف قدم اُٹھاتا ہے تو اس کی جنوبی سرحد اور مشرق ادنیٰ میں پھیلی ہوئی اتحادی فوجیں اسپر حملہ کردیں گی اور ظاہر ہے کہ وہ ان کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا — اس میں شک نہیں کہ برطانیہ کے ساتھ اس وقت تک ترکی کے تعلقات بہت دوستانہ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اسکا رجحان اتحادیوں کی طرف ہو، لیکن محض خواہش یا رجحان سے کچھ نہیں ہوتا اور بسا اوقات جان بوجھکر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا پڑتا ہے اس لئے اگر یہ پیچیدگی پیدا ہوگئی تو اس کے متعلق فی الحال کوئی حکم نہیں لگایا جاسکتا، لیکن یہ یقینی ہے کہ ایسی صورت میں لڑائی کا سارا زور مشرق قریب میں ہوجائے گا اور پھر ہم اسکی آگ سے نزدیک تر ہوجائیں گے — دوسری پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہمیں جاپان کی طرف سے ہے۔ یعنی اگر اسنے اِس موسم سرما میں سائبیریا یا ہندوستان پر حملہ کردیا تو پھر یورپ میں دوسرا محاذ قایم کرنا ۱۹۴۳ء میں بھی اتحادیوں کے لئے آسان نہ ہوگا اور نازی حکومت کو طیاریاں کرنے اور مفتوحہ علاقوں پر تسلط مضبوط کرنے کا زیادہ موقعہ مل جائے گا

جاپان کو جزائر سلیمان میں جو ناکامیاں ہوئی ہیں انھوں نے آسٹریلیا کے خلاف اسکے اقدام کو فرو دشوار بنا دیا ہے، لیکن سائبیریا اور ہندوستان پر حملہ کرنے کے امکانات بدستور باقی رہتے ہیں۔ اُس طرف منچوریا میں جاپانی فوجوں کا زبردست اجتماع اور اس طرف برما و سنگاپور پر اسکے تسلط سے دونوں کا امکان باقی رہتا ہے — سائبیریا پر حملہ ہونے کی صورت میں، امریکہ یہ ضرور کرسکتا ہے کہ ولاڈی واسٹک کی روسی بندرگاہ سے روس کو کمک پہونچاتا رہے اور ٹوکیو پر بھی فضائی تاخت کرتا رہے، لیکن منچوریا کی طرف سے یلغار کرنے والی جاپانی فوج کو اس طرح روکنا آسان نہ ہوگا، چین البتہ پشت کی طرف سے حملہ کرکے اس اقدام کو روک سکتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ اس صورت میں اسکا اصل محاذ کمزور ہوجائے گا اور برما کی طرف سے جاپانی فوجیں اسپر زیادہ کامیاب حملہ کرسکیں گی — رہ گیا ہندوستان سو اسپر اگر جاپان نے حملہ کیا تو اسکی ابتدا ہوائی حملوں سے ہوگی، کیونکہ برما کے تمام ہوائی مرکز اس کے قبضہ میں ہیں اور اسکے جہاز آسانی سے مشرق ہند پر حملہ کرکے واپس جاسکتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جاپان کی ہوائی طاقت اچھی نہیں ہے، لیکن برطانیہ کو مغرب کی طرف سے مشرق کی طرف متوجہ کرنے کے لئے یہ چھیڑ چھاڑ کافی ہوگی — یہ ہیں وہ تمام پیچیدگیاں جنکا نازی محور کے حق میں پیدا ہونا ممکن ہے، لیکن ان امکانات کے مقابلہ میں ایک یقینی بات اتحادیوں کے حق میں بڑی زبردست پائی جاتی ہے اور وہ قوت صبر و تحمل ہے یعنی لڑائی کے بار کو عرصہ تک برداشت کرنے اور تمام ناموافق حالات میں بھی مضبوطی کے ساتھ ڈٹے رہنے کی اہلیت ان میں بہت زیادہ ہے اور اس کا تعلق کیرکٹر کے علاوہ مادی اسباب سے بھی ہے۔ چین نے جاپان کے مقابلہ میں اور روس نے جرمنی کے خلاف جس قوت برداشت کا ثبوت دیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، رہ گئے برطانیہ و امریکہ، سو انھوں نے اگر ناتسی قوت کو دنیا سے محو کرنے کا اخلاقی عہد نہ کیا ہوتا، تو بھی ان کی وسیع طیاریاں مادی حیثیت سے ناتسی قوت کے لئے اتنا زبردست خطرہ ہیں کہ سارا یورپ و ایشیا لے لینے کے بعد بھی محوری قوتوں کے پاس اسکا کوئی علاج نہیں — بہرحال جو صورتیں اسوقت پیدا ہیں انکو دیکھکر لڑائی کے جلد ختم ہوجانیکی توقع کسی طرح قایم نہیں کیجاسکتی اور ہم سمجھتے ہیں کہ آیندہ زمانہ اس سے بھی زیادہ سخت آنے والا ہے جسکو وہی قوم جھیل سکتی ہے جو اخلاق و اصول پر جان دینے کے لئے طیار ہو!

آئندہ جنوری کا نگار ریاض نمبر ہوگا

بزم اسیر و امیر کے آخری یادگار ریاض خیرآبادی (مرحوم) کی شاعری سے کون واقف نہیں، لیکن اس زندہ دل ہستی کے ادب اُردو پر اور کتنے احسانات ہیں، اس سے کم لوگ آگاہ ہوں گے۔ نگار کے اس خاص نمبر میں آپ کو ریاض مرحوم کے لطایف شعر و سخن، ان کے خود نوشت سوانح حیات، نثر نگاری کے معیاری نمونے، ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر بسیط تبصرہ اور انتخاب کلام بھی کچھ نظر آئے گا۔ ریاض مرحوم کی زندگی کا وہ زمانہ جب ان کے ریاض الاخبار اور فتنہ کی دھوم مچی ہوئی تھی، اب بالکل بھلایا جا چکا ہے، لیکن نگار کے اس نمبر میں اس کو پھر سامنے لایا جائے گا اور اُن لطیف صحبتوں کی یاد پھر تازہ کیجائے گی جو ریاض اور اُن کے زمانہ کے لئے مخصوص تھیں۔

اس نمبر میں ریاض کی تمام تصانیف کے سلسلہ میں ناول نظارہ کا بھی اقتباس دیا جائے گا جو اس وقت تک شایع نہیں ہو سکا۔ الغرض یہ نمبر ادبی دلچسپیوں کا نہایت عجیب و غریب مجموعہ ہوگا اور اس کی ضخامت نگار کی موجودہ ضخامت سے کم از کم دگنی ہوگی اور اگر کاغذ میسر آگیا تو شاید اس سے بھی زیادہ۔ حضرت ریاض کی تصویر بھی دیجائے گی اور سرورق بھی نفیس کاغذ کا ہوگا۔

غیر خریداران نگار سے اس کی قیمت علاوہ محصول ڈاک ڈیڑھ روپیہ سے کم نہ ہوگی۔ لیکن خریداران نگار کو حسب دستور یہ نمبر ان کے سالانہ چندہ ہی میں دیا جائے گا۔

منیجر

کچھ "نگار" کے متعلق

نگار کا موجودہ حجم اور اس کا باریک خط صرف اسی وقت تک قایم رہے گا جب تک کاغذ نہیں مل رہا، لیکن جب یہ دشواری جاتی رہے گی تو نگار پھر اُسی کاغذ اور اسی مسطر پر شایع ہوگا جو جنگ سے پہلے تھا اور سرورق بھی بہترین کاغذ کا علٰحدہ لگایا جائے گا اور ضخامت بھی بڑھ جائے گی۔

ہر چند مضامین کے لحاظ سے اب بھی نگار میں ۸۰ صفحات سے زیادہ کا مواد دیا جاتا ہے، لیکن خط باریک ہونے کی وجہ سے بعض حضرات کو [illegible] کا ہمیں احساس ہے۔

P. 1716
AMIYABAD PARK.

[illegible] زندگی کمیابی، نایابی کی حد تک بڑھ جائے گی، لیکن آپ مطمئن رہیے، نگار [illegible] اس میں کوئی کمی نہ ہوگی، گو ظاہری شکل و صورت اس کی اچھی نظر نہ آئے۔ بہر حال جا[illegible]

نگار [illegible] صفحہ پر چھپ رہے ہے نہ کہ تماشائیوں کا اس لئے ہمیں امید ہے کہ قارئین نگار اس کی عارضی بدنمائی کی پروا نہ کریں گے۔

منیجر "نگار"

مطبوعہ نگار پریس لکھنؤ (ڈائرکٹر و پبلشر: ایس حسین)